بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتنا بڑا ظلم ہے غریب اسلام پہ جو غیروں سے نہیں، نام نہاد پیروؤں کے ہاتھوں اس پر ہو رہا ہے۔ جو لوگ "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی کیپٹل ازم" کے نعرے لگا رہے ہیں۔ وہ اسلام کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے۔ یہ محض ان لوگوں کی ذہنی غلامی، احساس کمتری، فکری بے مائگی اور اسلام سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ کہ اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری، اس کی صداقت اور عدالت ثابت کرنے کے لئے اس پر اشتمالیت اور اشتراکیت یعنی بالشویسٹ ازم یا استحصالی و سرمایہ داری یعنی بورژوائی کیپٹل ازم کا ٹھپہ لگا رہے ہیں۔ یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں۔ تحقیر ہے۔ ایک "خدائی دین" جو نہ صرف معاشی بلکہ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر لحاظ سے کامل و مکمل "عادلانہ نظام" ہے۔ اس کا رشتہ نہ تو ایک جاہلی نظام سے جوڑا جا سکتا ہے۔ جس کی بنیاد غریبوں کی خون کی کمائی کے جبری استحصال پر ہو۔ اس کی ساری رونق سود خوری، ساہوکاری، ذخیرہ اندوزی اور ظلم و استبداد سے ہو اور نہ تو اسلام کی کڑیاں اس نام نہاد سوشلزم سے ملائی جا سکتی ہیں۔ جو محض اس "جاہلی نظام" کا طبعی ردِ عمل انسانی ذہنوں کی پیداوار، اور معاشی بد اعتدالیوں کا غیر فطری ظہور ہے۔ جو سلطنت اور سٹیٹ کو رب العالمین کا درجہ دیتی ہے۔ اور جو زندگی کے میدان میں ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ اسلام کی حقیقت سے بے خبر دوستو! کبھی اس سرخ دیوار کے اندر جھانک کر بھی تم نے اس غیر فطری نظام (کمیونزم) کو دیکھا ہے۔! سرمایہ داری کے علمبردار یورپ کے دیس میں انسانی اقدار کا جو خون ہو رہا ہے۔ کیا تم اس سے بے خبر ہو؟ کیپٹل ازم کا یہ دیس تو آج موت اور خودکشی کے دوراہے پر کھڑا ہے۔ انسانیت وہاں سسک رہی ہے۔ کیا ہمدردی اور اخوت، اخلاقی اور نسلی رشتے وہاں موجود ہیں؟ ان کے معاشی نظام نے انہیں چین و سکون کی دولت بخشی ہے ـــــ کیا ساری دنیا اس کی معاشی دستبرد سے نالاں نہیں؟ ان سفید فام "درندوں" اور انسان نما "چوپایوں" کی بستی میں انسانیت اور انسانی عظمت و تقدیس کس بری طرح ذلیل و خوار ہو رہی ہے؟ پھر اسلام پر بھی تو ایک نگاہ ڈالو۔ قرآن و حدیث کے جھروکوں میں ذرا جھانک کر تو دیکھو۔ تمہیں توازن و اعتدال۔ عدل و انصاف، پاسداری حقوق، سکون و اطمینان کی ایک جنت نظیر زندگی نظر آئے گی۔ جو

خالقِ کائنات کی "لاہوتی ہدایات" سے جگمگا رہی ہے۔ تمہاری معاشیات و اقتصادیات کا وہ کونسا عقدہ ہے جس کی گرہ اسلام نے نہیں کھولی۔؟ اور جس کے لئے تم غیروں کی کاسہ لیسی کرتے پھرو۔ مبدء و معاد کا وہ کون سا مسئلہ ہے۔ جسکی اسلام نے الجھا چھوڑا۔ کہ تم اشتراکیت اور سرمایہ داری کے ذریعہ اسے سلجھانا چاہتے ہو۔ اسلام ایک مستقل نظریۂ حیات اور لائحۂ عمل رکھتا ہے۔ وہ ایک کامل، معتدل فطری نظام ہے۔ جسے نہ تو سوشلزم سے کوئی نسبت ہے۔ اور نہ سرمایہ داری سے آخر ریشم میں ٹاٹ کے یہ پیوند کب تک لگاتے رہوگے ؟

ع چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

○

مشرقی ترکی میں زلزلہ آیا۔ اور کتنی ہولناک تباہی و بربادی ساتھ لیتے آیا۔ بیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے سینکڑوں بستیاں پیوندِ خاک ہوئیں۔ صرف ایک شہر وارتو میں دو ہزار لاشیں تادمِ تحریر ملبے سے نکالی جا چکی ہیں۔ اور مزید لاشیں مل رہی ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ زمین جگہ جگہ دھنس گئی۔ مواصلات اور امدادی کام کا نظام درہم برہم ہوا۔ اور آخری خبروں تک زلزلے کے جھٹکے آ رہے ہیں ـــــ یہ داستانِ عبرت نہ تو قومِ عاد و ثمود کی ہے۔ اور نہ لوطؑ و سدوم کی بستیوں کی بربادی کا ذکر ہے۔ بلکہ اسی ہفتہ کے اندر ایک اسلامی ملک کا جہاں سارے مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں۔ اور اس سے پہلے پاکستان اور بھارت میں زلزلہ آیا۔ یوگوسلاویہ اور جاپان بھی لرز اٹھے۔ تاشقند کی زمین تو ایسی لرز اٹھی ہے کہ سکون کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ حال تو قدرت کے ایک تازیانے (زلزلے) کا ہے۔ ورنہ ہلاکت آفرینیوں کا ایک تانتا ہے جس نے سارے کرۂ ارضی کو جھنجوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ کا منظر عیاں ہے۔ مگر ہائے ہماری غفلت کیشی کا یہ حال کہ چونکتے تک نہیں۔ قدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل سے جتنی بے پرواہی اس حیرانی حدود میں برتی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کی سرکش اور طاغی قوموں میں شاید اسکی مثال نہ ملے۔ ہم اپنی بربادیوں کے رشتے اسباب و علل سے جوڑتے ہیں۔ مگر مسبب الاسباب پر نظر نہیں پڑتی۔ حالانکہ اس تمام خانماں بربادی کا سرچشمہ ہم خود ہی تو ہیں۔ یہ ہمارے اعمالِ بد کا ظہور ہی تو ہے۔ "وہ" جن کے لئے اسلام نے ایک فرد کی ہمت کو بھی سب سے بڑا واعظ قرار دیا تھا اُن کے سامنے قوموں کی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ رہی ہیں۔ مگر ہمیں عذاب کے وقت بھی

مسجد کی طرف نہیں بلکہ سینماؤں کی طرف دوڑتے ہیں۔ ترکی میں صبح کے بعد شام کو پھر زلزلہ آیا۔ مگر اس وقت بھی سینما ہال بھرے ہوئے تھے۔ اور صرف ایک ہال میں دو سو افراد زلزلے سے تباہ ہوئے۔ کیا صبح کا تازیانہ بھی انہیں جھنجھوڑ نہ سکا تھا ——؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شقاوت اور بدبختی کے تسلط کا اگر یہی عالم رہا تو شاید اسرافیل کی سیٹیاں بھی ہمیں خواب غفلت سے بیدار نہ کر سکیں۔ اور یہ زلزلے اور طوفان تو خود مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق قیامت کے لوازم ہیں۔ قدرت کی تلوار جب نیام سے باہر ہو جائے (والعیاذ باللہ) تو دنیا بھر کے ہلال وصلیب کی سوسائٹیاں اور امدادی ادارے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تلوار چلانے والے کے دامن میں پناہ لو ورنہ بالآخر تمہارا نام و نشان تک اس عالم خاکی سے مٹا دیا جائے گا —— جابر اور قاہر قومیں تم سے پہلے یہاں آباد تھیں مگر اب ان کی بھنک بھی تمہارے کانوں میں نہیں پڑتی۔

وکم اھلکنا قبلھم من قرنٍ ھل	ہم نے ان سے پہلے کئی جماعتیں ہلاک کیں تم
تُحِسُّ منھم من احدٍ او تسمعُ لھم	ان میں سے کسی کی آہٹ پاتے ہو یا سنتے ہو
رِکزا۔	ان کی بھنک۔

سنا ہے انہیں دنوں ترکی کا ایک وفد پاکستان کا دورہ اس غرض سے کر رہا ہے۔ کہ یہاں "خاندانی منصوبہ بندی" کے کام کا جائزہ لے کر اسے اپنے ہاں اپنائے۔ مگر قدرت کی طرف سے اس عذاب کی شکل میں جو "منصوبہ بندی" ہوئی —— کاش! اس قدرتی پلاننگ سے ہماری آنکھیں کھل جائیں۔ اور وفد جن لوگوں سے سبق سیکھنے آیا ہے سبق دینے والوں کو خود اس "حادثۂ فاجعہ" سے سبق مل جائے کہ "قانونِ پاداشِ عمل" سب سے بڑی منصوبہ بندی ہے —— اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے۔ اللھم لا تھلکنا فجاءۃً واذا اردت بقوم فتنۃً فاقبضنا غیر مفتونین۔

○

الحمد للہ کہ الحق نے اپنی زندگی کا پہلا سال پورا کیا۔ ہزار ہزار حمد و ستائش کہ اس ذات بے ہمتا نے توقع سے بڑھ کر الحق کو شرف قبولیت بخشا اور وہ دستگیری کی جو خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ الحق اس وقت جاری کیا گیا تھا کہ سوائے رحمت حق کے امیدواری اور کوئی سہارا نہ تھا۔ اور نہ اب ہمارا دوسرا کوئی وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ گو زمانے کا رخ تیزی سے بدل رہا ہے۔ دین کی بجائے دنیا اور یاد آخرت کی بجائے غفلت اور بغاوت نے لے لی ہے۔ یقیناً باطل اور الحاد کے طوفان

میں الحق کا چراغ جلانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اندھیروں کی اس یلغار میں دینِ حق کے یہ اکا دکا دیئے بھی روشن نہ ہوں تو بھٹکتی ہوئی اور راہِ حق سے ڈگمگاتی ہوئی انسانیت کا انجام آخر کیا ہوگا۔؟ یاد رکھئے اس وقت دینِ حق جس ابتلاء اور آزمائش میں گرا ہوا ہے۔ باطل نے جس طرح سینہ سپر ہوکر "دینِ حنیفیہ" کو للکارا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام پر کوئی نازک لمحہ نہیں آیا۔۔۔ ملتِ مسلمہ کہاں جارہی ہے۔؟ اس کا انجام کیا ہوگا۔؟ کیا اپنے ملی اور دینی مدرشہ سے ہمارا کوئی جوڑ اور رشتہ باقی رہ سکے گا۔؟ ان تمام سوالات کا فیصلہ تھوڑی مدت میں ہونے والا ہے۔ تمام عالمِ اسلام اور ملتِ مسلمہ کے قلوب و اذہان مادیت پرستی اور خدا فراموشی کے نرغے میں ہیں۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں۔؟ اس کا جواب ہر دلِ دردمند اور حساس مسلمان کو سوچنا ہے۔

دارالعلوم نے الحق کی شکل میں روشنی کا جو دیا جلایا۔ الحمدللہ اسکی کرنیں ایک سال سے پھیل رہی ہیں۔ کوئی تجارتی یا کاروباری مقصد اس کی پشت پر نہیں۔ اشاعتِ حق اور اغیار و اشرار سے قرآن و سنت کی حفاظت اس کا مقصد اولین و آخرین ہے۔ اس پاکیزہ مقصد کی تکمیل کے لئے آپ پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ الحق کے ساتھ اس کے قارئین کا تعلق اور رابطہ خریداری بیع و شراء کا نہیں۔ بلکہ ایک مشن اور فریضۂ دین میں تعاون کی حیثیت سے ہونا چاہیئے۔ ہمارا عزم ہے کہ ہر حال میں یہ چراغ روشن رہے۔ تیل نہ ہو تو خونِ جگر سے اسے جلائیں۔ تاہم قارئین، فضلاء دارالعلوم اور عام مسلمانوں کے تعاون کے بغیر یہ کام نہ ہو سکے گا۔ اس روشنی کے برقرار رکھنے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لئے آپ سب کا بھرپور تعاون ضروری ہے۔ خود بھی خریدار بنیں۔ اور اپنے حلقۂ تعارف سے اتنے خریدار مہیا فرمادیں کہ الحق دارالعلوم کے متوکلانہ بجٹ پر بار نہ ہو اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر زیادہ سے زیادہ ظاہری و معنوی رعنائیوں کے ساتھ آپکی خدمت میں پہنچتا رہے۔ خدانخواستہ اگر ہماری غفلت، بے پرواہی، اور ذمہ داری سے گریز کی وجہ سے یہ آوازۂ حق مضمحل اور کمزور ہو تو اسکی بازپرس میں آپ اور ہم سب شریک ہوں گے ۔۔۔۔

۔۔۔۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

سمیع الحق

اس پرچہ کے ساتھ الحق کی پہلی جلد کے مضامین اور مضمون نگاروں کی مکمل فہرست بشکل ضمیمہ ارسال ہے جو حضرات فائل رکھنا چاہیں اسے جلد کی ابتداء میں لگوالیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب
مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن ۔ ضلع لائل پور

ڈاکٹر فضل الرحمان

اور ان کے تحقیقاتی فلسفہ کے بنیادی اصول

لائق اور فاضل مقالہ نگار نے ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان کے ہم خیال حضرات کے نظریات پر اصولی گرفت کی ہے۔ اور تحقیق و ریسرچ کے روپ میں دجل و تلبیس کے جو سیاہ چہرے ہیں انہیں بے نقاب کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ موجودہ اسلام ان کے نزدیک معاذ اللہ جعلی اسلام ہے۔ ادارہ الحق مولانا موصوف کا شکر گذار ہے۔ کہ انہوں نے الحق کو ان محققانہ خیالات کی اشاعت کا موقعہ دیا۔ شکر اللہ مساعیہ وجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔ امید ہے علمی دینی اور ثقافتی حلقوں میں یہ مضمون بڑی دلچسپی غور و فکر اور سنجیدگی سے پڑھا جائے گا۔ (ادارہ)

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد۔ عزت مآب جناب ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب، کئی سال سے "اسلام" پر تحقیقی مشق سرکاری وسائل سے فرما رہے ہیں۔ پہلے پہل موصوف نے اپنی تحقیقی سرگرمیاں اپنے اساتذہ کی زبان انگریزی تک محدود رکھیں، جولائی ۱۹۶۳ء سے "فکر و نظر" کے پہلے شمارے ہی سے ان کے مضامین اردو کا جامہ زیب تن کئے ہوئے منظر عام پر آنے لگے، تاہم ان کے خیالات اہل علم کے خاص حلقہ تک محدود تھے۔ جون ۱۹۶۶ء سے آپ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور اردو انگریزی اخبارات میں "زکوٰۃ" سے متعلق دو مجدد بیان داغ دئے، پہلے بیان کی اگرچہ آپ نے تردید فرما دی لیکن تردید کے بین السطور اسکی حقانیت پر بھی زور دیا، ان کے اس عملِ جراحی سے پوری ملتِ اسلامیہ کا تڑپ جانا ایک فطری امر تھا، چنانچہ ملک کے گوشے گوشے

سے یہ قراردادیں بھیجی گئیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ادارۂ تحقیقات اسلامیہ" کی صدارت اور اسلامی مشاورتی کونسل" کی رکنیت اور سکرٹریٹ شپ سے الگ کیا جائے۔ ہمیں علم نہیں کہ جمہور کی یہ آواز جمہور کے نمائندوں ــــ ارکانِ دولت ــــ کے کان تک پہنچی یا نہیں، اگر پہنچی تو اسے لائقِ توجہ سمجھا گیا یا نہیں۔ اور اگر سمجھا گیا، تو اس پر غور و فکر کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا یا نہیں ــــ؟

ذیل کی سطور میں ہم ڈاکٹر صاحب کے نظریات کی اجمالی فہرست دینا چاہتے ہیں۔ جس سے واضح ہوگا۔ کہ موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ اسلام غلط ہے، معاذ اللہ، اس صورتِ حال میں موصوف کو اسلامی تحقیقات کی زحمت دینا بالکل ایسا ہی ہوگا، جیسے کسی ماسٹر تارا سنگھ لالہ بہاری لال، یا پروفیسر شاخت کو قرآن و سنت کی تفسیر اور اسلام کی تشریح دی جائے، ظاہر ہے کہ یہ اسلام اور اسلام کے "جدید شارح" دونوں پر ظلم ہوگا۔ اس لئے جمہور اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو کم از کم قومی ذرائع سے اسلام پر نفی کی لکیریں کھینچنے کا موقعہ نہ دیا جائے، ڈاکٹر صاحب کے نظریات پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا، کہ ان کی تحریک کا پس منظر، اور ان کی تحقیقات کے وہ راہنما اصول مختصراً عرض کر دئے جائیں جن پر یہ نظریاتی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف جس مکتبِ فکر کے نقیب ہیں، اس کے نزدیک اسلام کا مفہوم بظاہر بہت سادہ اور مختصر، لیکن بے حد پیچیدہ اور مبہم ہے۔ ان کے نزدیک "اسلام نام ہے چند مثالی عبادات اور نصب العینوں کا، جن کو مختلف معاشرتی مظاہر اور احوال میں ترقی پسندانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے۔" (۱) یہ اسلام جو ان کے بقول ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ شکلیں تلاش کرتا رہا"۔ (۲) ان کے نزدیک زندہ اسلام کہلانے کا مستحق ہے، اس مکتبِ فکر کا خیال ہے، کہ اسلام کی اصل روح پہلی صدی کے وسط میں شہادت عثمان کے بعد (۳) یا تقریباً پہلی صدی کے آخر میں (۴) دفن ہو کر رہ گئی، اور اب جو اسلام ۱۳ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ یہ ٹھیک وہی اسلام نہیں جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا، بلکہ یہ اسلام مردہ کا ورثہ، اور زندگی کی حرارت سے محروم ہے۔ (۵) یہ اسلام محض پوست، مغز سے محروم، ظاہری، رسمی ڈھانچہ اور روح سے عاری ہے۔ (۶) یہ اسلام آزاد ثبوتی فکر کا گلا گھونٹ کر خود فریبی کا شکار ہے۔ (۷) یہ اسلام تمام شعبہائے زندگی

---

(۱) فکر و نظر جلد ۲ شش ۱۱ ص ۶۹۲ (۵) فکر و نظر جلد ۲ شش ۳ ص ۱۵۳
(۲) " " " " (۶) " " " "
(۳) " جلد ۱ شش ۶ ص ۸ (۷) " " " "
(۴) " جلد ۱ شش ۱۰ ص ۸

میں انتہاپسندی اور غلو کی چکی میں پسا ہوا ہے۔ (۸) یہ اسلام قانونِ مبرم کا زخم خوردہ تعلیمی و فکری لحاظ سے بے حد نقصان رسیدہ، اور زوال آلودہ ہے۔ (۹) یہ اسلام صرف تعزیروں اور پابندیوں کا مجموعہ، قدامت پرستی کے اطوار کا پلندہ ہے۔ (۱۰) یہ اسلام ہمیشہ انتہاپسندانہ نظریات کا شکار رہا ہے۔ (۱۱) یہ اسلام روشن ضمیری سے محرومی کی بیتا کا مارا ہوا بدقسمت اور تمام تمدنی ڈھانچہ کیلئے تباہ کن ہے۔ (۱۲) امتِ مسلمہ اور حاملینِ دین کے بارے میں اس مکتب کا اندازِ فکر یہ ہے۔ کہ رحلتِ نبوی سے تقریباً ایک صدی بعد وہ اخلاقی اور عملی رجحان کی بجائے شدید تفکر و تعمق میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ دیگر مذاہب کی طرح اسلام کو بھی یہ حادثہ پیش آیا کہ اس کا عالمی نظریہ اعمال کی جگہ عقائد کے رنگ میں تشکیل پانے لگا۔ اور دوسرے گمراہ فرقوں کے ساتھ اہلِ سنت بھی اخلاقی تجاذب کے ایک ہی سرے پر زور دے کر غلو اور تشدد میں اس قدر ڈوب گئے۔ کہ اپنے خود ساختہ عقائد کے ہاتھوں گویا خود ہی گروی ہو گئے، اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ انہوں نے جبریت کو روایتی عقائد کا جزو لاینفک بنا ڈالا۔ (۱۳) اہلِ سنت نے ایمان و عمل کی تفریق کا نظریہ، جو مسیحی عقیدہ "استحقاق ایمان بہ نجات" علی مین چربہ ہے۔ اپنا کر انتہاپسندانہ اقدام، بلکہ اخلاقی خودکشی کا ارتکاب کیا۔ (۱۴) اہلِ سنت نے اطاعتِ امیر کی تعلیم دیکر نہ صرف یہ کہ کھلی "سیاسی ابن الوقتی" کی فضا پیدا کی بلکہ "سنی مسلمان ہمیشہ کیلئے حزبِ اقتدار کے حامی ہو کر رہ گئے خواہ اقتدار کیسے ہی ہاتھوں میں کیوں نہ ہو" (۱۵) اہلِ سنت فکری نظام مرتب کر لینے کے بعد جابر، جامد، اور جارحانہ ذہنیت کے مالک بن گئے۔ اور خود ایک مسلک بن کر تحزب کا شکار ہو گئے۔ (۱۶) اہلِ سنت کیلئے فلسفے سے ٹکراؤ کے اثرات ہلاکت آفرین ثابت ہوئے۔ (۱۷) اہلِ سنت۔ راسخ العقیدہ گروہ نے فلسفہ پر یکطرفہ غیر عقلی حملہ کر کے خود اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر مفلوج کر لیا۔ (۱۸) اور غزالی اور ان کے بعد کے تمام علمبرداران راسخ العقیدگی۔ اہلِ سنت نے تمام انسانیت سے روگردانی کی۔ (۱۹) امام غزالیؒ، امام شاطبی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی اور تمام مشاہیرِ اسلام نے جن کی مہریں فلسفہ کے خلاف ثبت ہیں۔ اور جن کی فہرست طویل ہے ___ شرعی علوم کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا اس کیلئے ایک ہی لفظ موزوں ہے، مہلک۔ (۲۰) مسلمہ عقائد کے حامیوں۔ اہل سنت نے پشت در پشت اور پے بہ پے انسانی عقل ہی ساقط الاعتبار قرار دے کر جو انتہاپسندانہ اور چو طرفہ حملہ کیا یہ نہ صرف یہ کہ

---

(۸) فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۳ (۱۳) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱۰ ص ۸ (۱۷) فکر و نظر جلد ۲ ش ۱ ص ۱۱۵
(۹) " " " ص ۱۵۴ (۱۴) " " " ص ۹ (۱۸) " " " ص ۳
(۱۰) " " ش ۲ ص ۹۱ (۱۵) " " ش ۹ ص ۱۰ (۱۹) " " " "
(۱۱) " جلد ۱ ش ۹ ص ۱۲ (۱۶) " " " " (۲۰) " " ش ۳ ص ۱۵۵
(۱۲) " " ش ۱ ص ۱۸

غیر صحیح تھا، بلکہ خودکشی کے مترادف تھا۔ (۲۱)

فقہائے اسلام کے بارے میں اس مکتب کا انداز فکر اس سے زیادہ شدید ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم فقہاء نے نہ صرف ذاتی آراء افکار کو بلکہ بیرونی عناصر کو بھی جن کا ماخذ یہودی روایات اور بازنطینی اور ایرانی انتظامی معاملات تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ (۲۲) امام ابو یوسفؒ نے تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود بہت سی احادیث کو۔ جن کو فرضی سلسلۂ سند ذات نبویؐ سے منسوب کیا جاچکا تھا۔ کتاب الآثار میں روایت کر ڈالا۔ (۲۳) امام شافعیؒ نے نہ صرف یہ کہ حدیث و اجماع سے متعلق بہت سی مشکوک اور فرضی احادیث ذات نبویؐ سے منسوب کیں (۲۴) بلکہ ان کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایسے مشینی نظام کو جنم دیا، جس نے اسلام کو جدت فکر کی تخلیق سے محروم کر دیا، اور اسے زندہ طاقت اور اپنی تقدیر کا خود مالک نہ رہنے دیا۔ بلکہ اسے اثر پذیر وجود کی حیثیت سے زندگی کے تھپیڑوں کو نذر کر دیا۔ (۲۵)

حضرات محدثین کے متعلق اس مکتب کا نقطۂ فکر یہ ہے۔ کہ انہوں نے نہ صرف بعض اقوال شافعی کو حدیث بنا ڈالا۔ (۲۶) بلکہ وہ سیاسی جنگوں اور کلامی بحثوں سے پیدا ہونے والے تمام افکار و خیالات کو عقاید کا رنگ دے کر حدیث کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے رہے۔ (۲۷)۔ اس مکتب کا قیاس ہے کہ احادیث احکام، احادیث اجماع، احادیث فتن، احادیث جبر و قدر، احادیث ایمان و عمل، احادیث تصوف وغیرہ کا تمام ذخیرہ اسی فرضی نسبت سے وجود میں آیا۔ (۲۸)۔ ان تمام انسانی آراء کو۔ جو زمانہ مابعد کی پیداوار نہیں۔ درجۂ استناد بخشنے، تقدس کا نام دینے اور ابدی صداقت قرار دینے کیلئے، معاذ اللہ، یونہی خدا و رسول کے احکام کو باور کرایا جاتا رہا۔ (۲۹) اس مکتب فکر کا دعویٰ ہے۔ کہ باوجودیکہ قدماء محدثین خود اس "معلوم حقیقت" کا اشتہار دیا کرتے تھے۔ کہ اخلاقی امثال، پند و نصائح اور جوامع الکلم کو ذات نبویؐ کی طرف منسوب کر دینے میں خواہ اس نوع کا انتساب درست ہو یا نہ درست کوئی حرج نہ سمجھا جانا چاہئے، البتہ فقہ و عقائد کی احادیث کی نسبت میں سلسلۂ سند کی صحت کا خیال رکھنا بہرحال ضروری سمجھا جائے۔ (۳۰) بایں ہمہ یہ "متعصب محدثین" (۳۱) سب سے زیادہ فقہی اور کلامی احادیث ہی کو قطعی مشکوک، ناقابل اعتماد،

---

(۲۱) فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۵۵، (۲۵) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۳۰ (۲۹) فکر و نظر جلد ۲ ش ۵ ص ۲۹۹ و دیگر مقالات
(۲۲) " جلد ۱ ش ۱ ص ۱۲ (۲۶) " " ش ۵ ص ۲۲ (۳۰) " جلد ۱ ش ۵ ص ۱۳
(۲۳) " " ش ۳ ص ۱۸ (۲۷) " " ش ۶ ص ۸ (۳۱) " " ش ۷ ص ۴۴
(۲۴) " " ش ۵ ص ۱۴ (۲۸) نیز ملاحظہ ہوں اسی سلسلہ کے دیگر مقالات

اور غیر صحیح ہونے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔ (۳۲) الغرض محدثین کی اس جراءت رندانہ کے طفیل "حدیث" کا کام تاریخ نویسی نہیں، بلکہ تاریخ سازی بن کر رہ گیا تھا۔ (۳۳)۔ لطف یہ کہ اسی مشکوک، ناقابلِ اعتماد، اور خود ساختہ تاریخ (حدیث) پر دینِ اسلام کی پوری عمارت کی بنیاد قائم ہے۔ (۳۴)۔ اور امت کی ۱۳، ۱۴ صدیاں اسی مشکوک، ناقابلِ اعتماد، اور خود ساختہ اسلام کے موافق اپنے ایمان وعمل، فقہ وعقائد احسان وتصوف، اور سیاست ومعاشرت کے نقشے مرتب کرتی رہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اپنے ناظرین سے معذرت خواہ ہیں کہ انہیں کچھ دیر کے لئے اس "نظریاتی سنڈاس" میں جانے کی زحمت اٹھانا پڑی جس سے ان کے دماغ پھٹے جاتے ہوں گے۔ لیکن کیا کیجئے اس "مردہ خانہ" میں سے جائے بغیر ہم اس کا تجزیہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہم یہاں اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ یہ سب کچھ دیانتداری سے کہا گیا، یا یہ سیاسی حالات کی پیداوار ہے۔ اس کا منشاء غلط فہمی ہے، یا دیدہ و دانستہ مغالطہ اندازی ہے، اور یہ "فیضانِ نظر ہے یا کہ مکتب کی کرامت ہے"۔ کچھ بھی ہو لیکن اتنی بات صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں۔ اور اسی میں پاکستان، ملتِ اسلامیہ اور خود ڈاکٹر صاحب کی بھلائی ہے ___ مگر اس مکتبِ فکر کا مقصد جو بھی ہو، مگر ان کے "افکارِ پریشان" کا نتیجہ مذہب سے بیزاری، دین میں تشکیک وتذبذب، ۱۴ سو سال کی کل ملتِ اسلامیہ سے بے اعتمادی اور اسلام کی پوری تاریخ کو سیاہ دکھلانے کے سوا کچھ نہیں، ڈاکٹر صاحب کے قلم سے جتنی تحقیقات سرزد ہوئی ہیں، ان کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مذہبِ اسلام، معاذ اللہ، مشکوک، ناقابلِ اعتماد، فرضی، بناوٹی اور غلط مذہب ہے۔ کیا سطور بالا میں ذکر کردہ نظریات سے اس کے علاوہ کسی اور نتیجہ کی گنجائش ہے ___؟

● پنجاب مرحوم اس اعتبار سے خاص امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے، کہ گذشتہ صدی سے یہاں "اصلاحِ اسلام" کے عنوان سے "دیرینہ اسلام" کو غلط ثابت کرنے والی کئی تحریکیں جنم پذیر ہوئیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی، علامہ عنایت اللہ المشرقی اور مسٹر غلام احمد پرویز کے نام سرفہرست آتا ہے، مگر مرزائی مکتبِ فکر نے "اصلاحِ اسلام" کی صورت دعوئ نبوت کی شکل میں تجویز کی، اس لئے ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیح وغیرہ چند مسائل اس کے لئے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوئے، اب اسکی حیثیت مثل مشہور "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" سے زائد نہ رہی۔ اور ثانی الذکر نے "مولوی کا مذہب غلط" کا نعرہ

---

(۳۲) فکر ونظر جلد ۱ ش ۷ ص ۹

(۳۳) 〃 〃 ش ۵ ص ۱۰

(۳۴) 〃 〃 ش ۷ ص ۱۰

لگایا، مگر ان کا "عسکری اسلام" جو شاید خود ان کے لئے بھی ناقابلِ فہم تھا، چل نہ سکا، اور مسٹر پرویز نے قدیم اسلام کو عجمی سازش" قرار دے کر مرکزِ ملت" اور "نظامِ ربوبیت" کا نظریہ پیش کیا، مگر ایک آدھ مرکزِ ملت" سے زیادہ کے یہاں اسکو شرفِ پذیرائی حاصل نہ ہو سکا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی تحریک علمی نہ تھی، بلکہ عامیانہ اور سوقیانہ قسم کے افکار کا پلندہ تھی۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کا مکتبِ فکر اس اعتبار سے امتیازی مقام رکھتا، کہ اس نے "انکارِ دینِ قدیم" اور تخریبِ اسلامِ کہنہ" کی تحریک ایک حد تک اصولی، علمی، اور فلسفی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم احسان شناسی ہو گی، اگر وہ اپنے ان تمام "اسلاف" کے شکر گذار نہ ہوں، کیونکہ اصل مقصد کی حد تک یہ لوگ موصوف کے لئے "ہراول دستہ" ثابت ہوتے اور انہوں نے موصوف کی تحریک کے لئے کافی حد تک زمین تیار کر دی، بالخصوص مؤخر الذکر کا تو انہیں نہایت ممنون ہونا چاہئے۔ کہ اُن کے اور ان کے نظریات و افکار سے بچ کافی حد تک میل کھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرویز صاحب کے کئی ایک "خاص تربیت یافتہ اصحاب" جو برسوں ان سے منسلک رہے، آج وہ ڈاکٹر صاحب کی صفوں میں نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد قدیم اسلام کو غلط کہنا یہاں ذرا سنجیدہ، علمی اور سائنٹیفک نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے انکارِ دین اور تخریبِ اسلام کیلئے جو فلسفہ پیش کیا ہے، وہ مغربی اصطلاح میں "فلسفۂ ارتقاءِ اسلام" اور مشرقی اصطلاح میں "فتنۂ استشراق" کہلاتا ہے۔ یہ فلسفہ یا فتنہ موصوف کی اختراع نہیں، بلکہ کافی مدت سے مغرب کا چبایا ہوا فلسفہ ہے جس کا مقصد ابتدائے آفرینش ہی سے یہ تھا کہ اسلام کی موجودہ شکل کو ارتقاء کی شعبدہ بازی قرار دے کر مذہبِ اسلام اور عیسائی کلیسا کو ہم رنگ اور متشابہ ثابت کیا جائے۔ تاکہ جس طرح مغربی نسل نے کلیسائی جبروت کا جُوا اتار پھینکا اور مادر پدر آزاد ہو گئے۔ اسی طرح مسلمانوں کی نسلِ آئندہ بھی اسلام اور اسکی صحیح تعلیمات کا جُوا آسانی سے اتار پھینکیں اور پابندیٔ اسلام سے سبکدوش ہو جائیں۔ "پیرِ مغرب" اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کی شہادت کیلئے ڈاکٹر صاحب کا مکتبِ فکر کافی ہے۔ (۳۵)

اسے ڈاکٹر صاحب کی خوش قسمتی کہہ لیجئے یا کچھ اور، کہ ان کی عقل و خرد، شعور و احساس، ہوش و حواس، اور فہم و ادراک کی آنکھ ٹھیک اس ماحول میں جا کر کھلی، جہاں اس فلسفہ کا چرچا اس شدت سے تھا، کہ ہم مشرقیوں کو بھی اسکی گونج اور صدائے بازگشت سنائی دیا کرتی تھی، پھر موصوف کی ساخت و پرداخت اور تعلیم و تربیت ان ہی "ارتقائی فلاسفہ" کے سپرد ہوئی، جن کے دل و دماغ کا سب سے بڑا کام مذہبِ اسلام تھا، اس لئے ان کے لائق اور قابلِ فخر تلمیذ رشید کا ان سے متاثر بلکہ ان کا معتقد اور عملی ملحد

(۳۵) ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحب کا مقالہ "عبدیتِ قرآن" مشمولہ "فکر و نظر" جلد ۲ شمارہ ۴ ص ۲۲۹

میں ان سے مرعوب و مسحور ہو جانا ایک فطری امر تھا، کیونکہ :

"ایک یکساں نظام فقہ کی تشکیل میں ایک امر یہ مانع تھا، کہ ہر مذہب فقہ کے پیرو اپنے بانی اور شیوخ کا غیر معمولی احترام کرتے تھے اور بالعموم ان کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے تھے ــــــ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ جہاں کوئی فقیہ دوسرے مذاہب فقہ کے آراء و افکار سے متاثر ہو کر اپنے موقف سے دستبردار ہو گیا ہو۔ امام ابو یوسف" اپنی کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" میں بالعموم امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ صرف دو تین مقامات پر مثلاً دار الحرب میں ربوا کے مسئلہ کی نسبت وہ امام اوزاعی کی حمایت کرتے ہیں، یہ امر بالکل فطری ہے، اور آج بھی بالعموم یہی ہوتا ہے۔ کہ شاگرد اکثر امور میں اپنے استاد کا ہم خیال ہوتا ہے" عہ

اس فطری عمل نے ڈاکٹر صاحب کے مزاج پر اس قدر گہرا ارتقائی رنگ چڑھایا، کہ انہیں فرقہ ارتقائیہ کا امام اور گولڈ تسیہر اور جوزف شاخت کی ٹکر کا آدمی بنا دیا، اب وہ اس فن کے نشیب و فراز سے واقف اور اس کے اصول و فروع کے اس قدر ماہر ہیں، کہ اپنے مغربی اساتذہ کے ارتقائی نظریات کو پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کرتے ہیں، اور جہاں ان کا کوئی نظریہ لائق توجیہ ہو، وہاں بزعم خود دلائل براہین کے ساتھ موجّہ کرتے ہیں۔ (۳۶) اگر کوئی نظریہ مشرقی فضا کے لئے وحشت آور ہو تو اسے نئے اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ اور اگر کسی اسلامی مسئلہ پر وہ ارتقائی دلائل پیش نہیں کر سکے تو موصوف اس کے لئے جدید اصول وضع فرماتے ہیں اور نئے دلائل مہیا فرماتے ہیں (۳۷) علمی اصطلاح میں کہنا چاہیے کہ اس فنِ ارتقا میں موصوف کو مجتہد فی المذہب کا درجہ حاصل ہے۔ (جسے خوش فہمی سے انہوں نے اجتہاد فی الدین تصور کر لیا ہے۔) گویا علامہ اقبالؒ کے پیر رومیؒ نے انہیں کو سامنے رکھ کر کہا تھا ؎

مرغ پر نارستہ چوں پراں شود ہر گربہ دراں شود

اس فلسفۂ ارتقاء کی بنیاد جن فرضی قسم کے اصول موضوعہ پر اٹھائی گئی وہ بہت سادہ، مختصر اور بظاہر بڑے دلفریب ہوتے ہیں۔ یعنی :۔

الف ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاقی مصلح تھے۔ (۳۸)

ب ــــ آپ شارع نہ تھے، اس لئے اسلام کی ترقی کے لئے نہ آپ نے قانون سازی کی، نہ از روئے قیاس اس کے لئے آپ کو فرصت ہو سکتی تھی۔ (۳۹)

---

(۳۶) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۲

(۳۷) ؍ ؍ ش ۵ ص ۱۹

(۳۸) ؍ ؍ ش ۱ ص ۱۴

(۳۹) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۸

عہ فکر و نظر جلد ۳ ش ۷، ۸ ص ۵۶۷

ج ـــــ دورِ نبوی میں بھی (پیدا ہونے والے نزاعات کا) صحابۂ کرام اپنی خرد و فہم یا رسوم و رواج کے مطابق خود فیصلہ کر لیا کرتے تھے، اگر انتہائی غیر معمولی حالات میں ذاتِ نبوی کو زحمت دی بھی جاتی، یا بہت ہی خاص حالات میں قرآن کا سہارا لینا ہی پڑتا، تو ان قرآنی اور نبوی فیصلوں کی نوعیت محض ہنگامی اور وقتی ہوتی تھی، جنہیں قانون کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ "ایک گونہ نظیر" ہی کہا جاسکتا ہے۔ (۴۰)

د ـــــ محض مذہب یا حکومت سے تعلق رکھنے والی بڑی بڑی پالیسیوں کو طے کرنے یا اہم اخلاقی اصولوں کے متعلق فیصلہ صادر کرنے ہی میں آنحضرت نے کوئی اقدام فرمایا، لیکن اس کے لئے بھی آپ اکابرِ صحابہ سے مشورہ فرما لیا کرتے تھے، یعنی ان کا مشورہ تنہائی میں یا پبلک میں حاصل کر لیا جاتا (۴۱)

ان فرضی مقدمات سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کو بھی فلسفۂ ارتقاء کے اصول موضوعہ میں شامل کر لیا گیا، چنانچہ کہا گیا کہ :-

ہ ـــــ قرآن تو عام اخلاقی اصولوں کے علاوہ، جو خود بھی غیر متعین اور مبہم و مجہول ہیں، کوئی قانون اپنے اندر نہیں رکھتا، وہ صرف ان علل و غایات کے اعتبار سے ابدی ہے۔ جو اس سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ (۴۲) یعنی ان ارتقائی ڈاکٹروں سے پہلے ان کو کسی نے اخذ نہیں کیا - نہ کوئی کر سکا۔

و ـــــ اور سنت کا اوّل تو (قرآنی بیانات سے باہر قانونی یا اخلاقی امور کے متعلق) وجود ہی نہیں (۴۳)

ز ـــــ اور اگر اس کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا وہ کوئی متعین شے ہے -؟ نہیں! (۴۴)

ح ـــــ بلکہ وہ ایک عمومی محیط تصور اور تعاملی اصطلاح تھی، جو کسی خاص مادے اور عنصر تک محدود نہیں ہوتی، نہ کی جاسکتی ہے، بلکہ مختلف کوائف و ظروف میں اسکی تعبیروں اور تطبیقوں کی گنجائش ہے (۴۵) یعنی سنت کا وجود تھا، لیکن مبہم، مجہول، فلاسفہ کا ہیولیٰ وجود ہے لیکن عدم سے بدتر۔ (باقی آئندہ)

---

(۴۰) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۰
(۴۱) " " " "
(۴۲) " جلد ۲ ش ۴ ص ۲۳۷
(۴۳) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۲
(۴۴) " " " ص ۱۶
(۴۵) " " " ص ۱۸

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ

موجودہ معاشی نظام اور اسلام
موازنہ

سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام کا اقتصادی نظام

اس موازنہ سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام اور فسطائی سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان کوئی ایسی مشترک کڑی نہیں پائی جاتی جسکی بدولت ان دونوں میں کسی قسم کی بھی مفاہمت ممکن ہو سکے اس لئے یہ ایک مسلم امر ہے۔ کہ ایسے نظام کو اسلامی اقتصادی نظام کے ساتھ کسی طرح نہیں جوڑا جا سکتا جو چند سو یا چند ہزار یا چند لاکھ انسانوں کی خوشحالی، عیش پسندی، اور راحت کوشی کی قربان گاہ پر کروڑوں انسانوں کو بھینٹ چڑھا دے اور صرف یہی نہیں بلکہ عام کساد بازاری اور بیروزگاری کا باعث بن کر دنیا کے امن وامان کی تباہی و بربادی اور مظلوموں کو محکوم بنا کر ظالم کے ہاتھوں ہلاکت آفرینی کا موقع بہم پہنچائے۔

اس بحث کا مطمح نظریہ ہے۔ کہ وہ دنیوی نظام ہائے اقتصادی جو اس دورِ جدید میں دنیا کی حکومتوں پر مسلط ہیں۔ اور پروپیگنڈے کے ذریعہ مسلط ہونا چاہتے ہیں۔ اسلامی اقتصادی نظام کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کیا واقعی اقتصادی نظام کے مقصدِ عظمیٰ کا حل ان کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ یا اسلام کا اقتصادی نظام ہی اس مرض کا واحد علاج ہے — موجودہ دور میں دنیا کی حکومتوں پر مختلف شکلوں میں مکمل یا ناقص دو ہی نظام کا تسلط ہے۔ اور اس لئے وہی دونوں قابلِ بحث ہیں ایک فیسزم اور دوسرا سوشلزم۔

فیسزم یا فاشیت کا نظریہ یا فلسفہ اگرچہ اپنے اندر ایک طویل بحث رکھتا ہے۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے وہ حسب ذیل چند اصولوں پر قائم ہے۔ اور اس کا تمام نظام ان ہی اصولوں کے ساتھ وابستہ ہے:-

۱۔ تمام ذرائع پیداوار افراد کے ہاتھوں میں اسطرح آزاد ہوں کہ ان کا مفاد مخصوص افراد کے حق میں ثابت ہو نہ کہ جماعت اور سماج کی اکثریت کے حق میں۔

۲۔ پیداوار نجی فائدے کے اصول پر ہو نہ کہ عوام کی ضروریات کے فائدے کے اصول پر اور اس لئے ضروریات کے تخمینہ کی مطابقت کی بجائے ذاتی اغراض کے اندھا دھند طریقہ پر ہو۔

۳۔ ان ہر دو مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے ایسے طرزِ حکومت کی طرح ڈالی جائے جس میں قوانین کے ذریعہ سرمایہ داری کی حفاظت و ترقی کا سامان فراہم ہو سکے۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے اوّل فاشیت یا فسطائیت کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔

کائنات انسانی میں عادلانہ نظام کے مقابلہ میں سرمایہ دارانہ نظام نے ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں اُبھرنے اور دنیا پر چھا جانے کی سعی کی ہے۔ اور اسکو اپنی سعی میں کامیابی بھی ہوتی رہی ہے۔

قریبی زمانہ میں ایسی سعی و کوشش کا ترقی یافتہ نظام فسطائیت کے نام سے موسوم ہے۔ جو یورپ کی حکومتوں میں جرمنی اور اٹلی پر خصوصیت کے ساتھ حاوی ہے۔ اور انگلستان و فرانس کو بڑی حد تک اس نے فتح کر لیا ہے۔ اور امریکہ اور جاپان بھی اس کے لئے گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔

یورپ میں تقریباً پندرہویں صدی عیسوی سے دورِ جہالت ختم اور دورِ علم و ترقی شروع ہو گیا تھا۔ اور بعض یورپین حکومتیں دنیا کی جدید دریافت اور حصولِ زرومال کے لئے ادھر اُدھر تگ و دو میں منہمک نظر آنے لگی تھیں۔ اس وقت انگلستان میں جاگیرداری اور شاہی استبدادیت کا دور دورہ تھا۔ مگر آہستہ آہستہ تجارتی اور کاروباری طبقہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ اور بعض سیاسی حالات نے ان کی قوت کو اور مضبوط بنا دیا تھا۔ اور وہ ملک کی بہت بڑی طاقت سمجھے جانے لگے تھے۔ ان کا بیشتر کاروبار تجارت (اُون کی تجارت) تھا۔ خاندان اسٹوارٹ جب انگلستان پر حکمران ہوا تو اس نے ان تاجروں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہو کر تجارت پر قانونی پابندیاں عائد کرنی شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تجارت پیشہ طبقہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اور ۱۶۴۲ء میں انگلستان کی مشہور خانہ جنگی میں انہوں نے فتح پائی اور جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا اور شاہی نام کو برقرار رکھتے ہوئے شاہی اقتدار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب ان کو اپنی تجارت کے فروغ دینے کا کافی موقع میسر آیا اور قوانین حکومت کے ذریعہ ان کو بیش از بیش مدد ملی۔

اگرچہ انگلستان کے اس دور میں جاگیرداری سسٹم ختم ہو چکا تھا۔ مگر تجارت کے اس دور میں تجارت کا مفہوم "عوام کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ مخصوص افراد اور خاص طبقہ کی برتری تھا"۔ اس لئے اس طبقہ نے ذاتی اور نجی کارخانے کھول کر دولت کمانی شروع کی اور قوانین کی مدد سے اس کی ترقی کے ممکن ذرائع بہم پہنچائے لیکن ابھی تک چونکہ کارخانوں میں صرف ہاتھ ہی سے کام ہوتا تھا۔ اس لئے آمدنی بھی

محدود ہوتی تھی۔ اور مال بھی حسب ضرورت تیار نہ ہو پاتا تھا۔ اور دولت و سرمایہ کے پجاری فراوانی دولت کے دوسرے بہترین ذرائع کے لئے بیقراری کے ساتھ متلاشی نظر آتے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد یعنی اٹھارویں صدی کے آخر میں مشینوں کی ایجاد شروع ہوگئی۔ اور اب دستی کارخانوں کی جگہ مشینری کارخانوں نے لے لی۔ اور اس طرح ان تاجروں اور سرمایہ داری کے مخصوص طبقہ نے دولت کے بے شمار خزانے حاصل کرنے شروع کر دئے۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جب مشینوں کے ذریعہ کام شروع ہوگیا تو دستکاروں پر آفت نازل ہوگئی۔ اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو اپنا کام بند کر دینا پڑا۔ اور افلاس کی مصیبت سے محفوظ رہنے کے لئے مشینری کارخانوں میں ایک "مزدور" کی حیثیت سے وہ اپنی "محنت" کو کم سے کم قیمت پر بیچنے کے لئے مجبور ہوئے اور کارخانہ دار ہونے کی بجائے مشین مالک کے غلام بن کر رہنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا

اس واقعہ سے ہٹ کر پھر ایک مرتبہ چودھویں صدی عیسوی کی طرف نظر ڈالئے۔ انگلستان میں "اون" کی تجارت کے فروغ پا جانے سے زمینداروں کو فراوانی دولت کے لالچ نے مجبور کیا کہ وہ کاشتکاروں سے زمینیں خالی کرائیں اور ان میں "باڑے" قائم کر کے بھیڑوں کی پرورش کریں تاکہ "اون" کی تجارت سے فائدہ اٹھائیں جو زمینداری آمدنی کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ یہ وبا اس قدر پھیلی کہ ہزاروں لاکھوں کسان افلاس اور بھوک کا شکار ہونے لگے اور بیکاری ترقی پانے لگی۔

اب جبکہ مشینوں کا دور شروع ہوا تو زمینداروں نے کاشت بھی مشینوں کے ذریعہ شروع کر دی اور کسانوں کی رہی سہی معاشی سبیل کو اسطرح ختم کر دیا گیا۔ اور اب ان کے لئے بھی بجز غلامانہ مزدوری کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا اور پھر بھی ایک بہت بڑی تعداد کی قوت لایموت کے لئے سامان مہیا نہ ہو سکا۔ اور طرفہ یہ کہ مشینوں کے اس صنعتی انقلاب نے ان دونوں "کاریگروں" اور "کسانوں" کو دیہات و قصبات کی آزاد اور پر فضا زندگی کو خیر باد کہہ کر شہروں کے غلیظ اور گندے مقامات میں غلاموں کی طرح آباد ہونا پڑا۔

صنعتی تجارت کا یہ وہ ابتدائی دور تھا جس میں فیکٹریوں کے متعلق نہ قوانین تھے۔ اور نہ مزدوروں کی ترقی یافتہ یونینیں تھیں۔ لہٰذا سرمایہ داروں نے من مانی حکومت کی اور اپنی فراوانی دولت کے لئے مزدوروں پر بے پناہ مظالم روا رکھے ——— ان سے چودہ سے لے کر سولہ سترہ گھنٹہ تک عموماً کام لیا جاتا اور بعض اہم کاموں کے موقعہ پر مسلسل بیس سے تیس گھنٹہ تک بھی ان کو مصروف رہنا

پڑتا تھا۔ اور اس طرح ضعیف و ناتواں افراد بہت جلد موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس بہیمانہ محنت کرانے کے بعد ان کو کم سے کم اُجرت دی جاتی تھی اور رہنے کے لئے ایک چھوٹی کوٹھڑی یا ایسا کمرہ دیا جاتا تھا جس میں بمشکل لیٹنے کے لئے جگہ میسر آسکتی تھی۔ اور وہ غلاظت، عفونت اور کمروں میں ہوا کے نفوذ کے لئے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے جہنم زار بنے ہوئے تھے۔

یہ سرمایہ داری کا وہ بھیانک نقشہ ہے جو سب سے پہلے انگلستان میں بروئے کار آیا! اور اس کے بعد یورپ کی تمام حکومتوں پر اصول بن کر چھا گیا۔۔۔۔ چونکہ سرمایہ داری کے اس سسٹم میں مفادِ عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ بلکہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت سے ناجائز سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تمام ذرائع پیدائش کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے خاص کر لیا جاتا تھا۔ اس لئے فیکٹریوں اور مشینوں میں جو سامان تیار ہوتا تھا وہ کم سے کم اُجرت دے کر زائد سے زائد مال تیار کرانے اور ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے اصول پر عالم وجود میں آتا تھا۔ اس لئے گوداموں میں مال کی فراوانی ہونے لگی اور نکاسی کی محدود راہوں کی وجہ سے مال ضائع ہونے لگا۔ نیز اس فراوانی سے مزدوروں اور غریبوں کو مطلق فائدہ نہ پہنچا اور وہ اپنی ضروریات کے لئے ان چیزوں کی خریداری سے اب بھی اسی طرح محروم رہے جس طرح مال کے بنانے کی ابتدائی دور میں تھے۔[1]

لہٰذا سرمایہ داری کے اس بھوت نے دوسرے ممالک پر لالچ اور حرص و آز کی نگاہ ڈالنی شروع کر دی اور ہل من مزید پکارتے ہوئے ان کو محکوم بنانے کے لئے قدم آگے بڑھایا اور اپنی جوع الارض (زمین کی بھوک) کو پورا کرنے کے لئے اپنے ملک کے آزاد کاروباری لوگوں کو غلام بنانے کے بعد کمزور ملکوں اور قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اٹھارویں اور انیسویں صدی میں افریقہ جیسے براعظم میں یورپین نوآبادیات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہندوستان جیسا بڑا ملک بھی آخر اسی استعمار کی نذر ہو گیا اور اس طرح تھوڑے سے عرصہ میں ساری دنیا ایک طرح انگلستان کے سرمایہ داروں کی خصوصاً اور دوسری سرمایہ دار طاقتوں کی عموماً تجارتی منڈی بن گئی۔

ذرائع پیداوار کو مخصوص طبقے کی ذاتی ملکیت قرار دینے اور عوام کی بہبودی سے قطع نظر ان

---

[1] یہ بات کہ مشینوں کی بدولت کثرت سے مال تیار ہونے اور گوداموں کے پُر ہو کر مال کے ضائع جانے تک کی حالت میں مزدور اور غریب کی قوتِ خرید اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور سابق بدحالی ہی میں گذارتی ہے تفصیل طلب اقتصادی مسئلہ ہے جو قوتِ خرید اور توازن تیاری مال کی بحثوں پر مبنی ہے۔ اس کے لئے اقتصادی معلومات کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

کی پیداوار کو بھی اور انفرادی مفاد کی بھینٹ چڑھا دینے کا یہ سسٹم اب بھی مطمئن نہیں ہے۔ اور اب خود آپس میں دست و گریباں نظر آتا ہے۔ ہر ایک ملک اپنی اس تجارتی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے جانا چاہتا ہے۔ اور اس دوڑ میں آزاد قوموں کو غلام بنانے، تباہ و برباد کرنے اور صفحۂ دنیا سے مٹا دینے کو بھی اپنا جائز حق تصور کرتا ہے۔

جرمنی، اٹلی، انگلستان، فرانس، جاپان، امریکہ وغیرہ فاشیت حکومتوں کی اس سابقت میں عراق، البانیہ، فلسطین، زیکوسلیوکیہ، چین اور خود فرانس کا جو حشر ہوا اور ہو رہا ہے وہ اس دعوے کی روشن دلیل ہے

اس تفصیل سے اب آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔ کہ سرمایہ داری نظام (فسطایت) کیا ہے۔ اور یہ کس طرح آہستہ آہستہ عوام کی تباہی و بربادی کا باعث بنتا اور امن عالم کو جنگ کی شعلہ زار ہولناکیوں میں ڈال کر خاکستر بنا دیتا ہے۔ یہ شروع میں تو اپنی شکل و صورت کو جمہوریت کی نام نہاد شکل و صورت میں چھپا کر دنیا کے سامنے آتا فریب دے کر عوام کو تباہ کرتا ہے۔ جیسا کہ انگلستان اور امریکہ میں نظر آتا ہے۔ اور جب اس کا مفاد اس شکل و صورت میں خطرہ میں پڑنے لگتا ہے۔ تو صاف کھل کر خالص (آمریت) (ڈکٹیٹرشپ) کے اصل رنگ و روپ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جرمنی، اٹلی اور جاپان میں ہو رہا ہے۔

اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ کہ یہ جمہوری حکومتیں فسطایت (فسطایت) سے الگ کوئی چیز ہیں۔ بلکہ ڈکٹیٹری ہو یا موجودہ جمہوری نظام، ان سب میں وہی سرمایہ دارانہ نظام کار فرما ہے۔ اور ان سب کے پیش نظر یہی ایک مقصد ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق — طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاماں — یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو — آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو (اقبالؒ)

غرض تاریخ یہ پتہ دیتی ہے۔ کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی ابتدا انگلستان سے ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ تمام یورپ پر چھا گیا اور آج جرمنی و اٹلی اس کے بہت بڑے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور مملکت انگلستان و امریکہ بھی اصولاً اس کی تائید ہی میں ہے۔ اور اگرچہ یہ اس وقت حریف یا باہمی سابقت میں رقیب نظر آتے ہیں۔ لیکن اصول میں متحد ہیں۔ اور اسطرح جرمنی کا نازی ازم جمہوریت امریکہ برٹش

ڈیماکریسی وشاہی نظام ، اٹلی کی فسطائیت اور جاپان کا شاہنشاہیت پسند نظام یہ سب ایک ہی قسم کی سرمایہ داری کے مختلف نام یا ایک ہی صورت کے مختلف رنگ وروغن ہیں۔

اس تفصیل کے بعد آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام کے اقتصادی نظام کے مقابلہ میں فسطائیت کو پیش کرنا دراصل " اقتصادی نظام " کی توہین کرنا ہے۔

اسلام میں اگرچہ پیداوار اور ذرائع پیداوار میں انفرادی ملکیت ایک حد تک جائز رکھی گئی ہے۔ لیکن اس کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ انفرادی ملکیت جماعتی مفاد سے کسی حال میں متصادم نہ ہونے پائے بلکہ اجتماعی مفاد کے لئے ممد ومعاون اور باعث تقویت ثابت ہو اور جس جگہ اس تصادم کا غالب گمان ہو، وہاں اس کے مقابلہ میں جماعتی مفاد کو ترجیح دی جائے۔ اس لئے محض اس جواز مشابہت سے اسلامی نظام کو فاشیت کے ہم نوا قرار دینا یا اس سے قریب تر ثابت کرنا اسلام پر بہت بڑا ظلم اور حد درجہ ناانصافی ہے۔ ذیل کے نقشہ سے اس کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام	فسطائی اقتصادی نظام
۱۔ دولت وذرائع دولت کا مخصوص طبقہ میں محدود ہو کر عام کی معاشی ہلاکت کا باعث بننا حرام ہے۔	۱۔ دولت وذرائع دولت کو مخصوص طبقہ کی انفرادی و اجتماعی اغراض کیلئے بنانا ازبس ضروری ہے۔
۲۔ انفرادی ملکیت پر شرائط کی حدود عائد ہیں	۲۔ انفرادی ملکیت لامحدود ہے۔
۳۔ انفرادی ملکیت، اجتماعی حقوق کے زیر اثر ہے	۳۔ انفرادی ملکیت اجتماعی حقوق اور مفاد عامہ سے مستغنی وبالاتر ہے۔
۴۔ اقتصادی نظام کی بنیاد عوام کے مفاد اور حاجات کے اصول پر قائم ہے۔	۴۔ اقتصادی نظام کی بنیاد مخصوص افراد اور خاص طبقہ کے مفاد پر قائم ہے۔
۵۔ عام معاشی خوشحالی ضروری ہے۔	۵۔ عوام کی معاشی تباہی وکساد بازاری اس کا لازمی نتیجہ ہے۔
۶۔ معاشی دستبرد کے ذریعہ حاکمیت ومحکومیت اقوام لعنت ہے۔	۶۔ معاشی دستبرد کے ذریعہ غلامی اور اقوام کی محکومی لازم وضروری ہے۔
۷۔ اکتناز (جمع خزانہ) واحتکار (اجتماعی حقوق سے باز رہنا) کی مطلق گنجائش نہیں۔	۷۔ اکتناز واحتکار ضروری اور موجب سعادت امور اقتصادی ہیں۔
۸۔ نسلی، خاندانی، طبقاتی اور جغرافیائی امتیازات اس سلسلہ میں قابل تسلیم نہیں۔	۸۔ نسلی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات ضروری ہیں۔

□□

جناب شمشیر علی خان راؤ ---- انگلینڈ
انٹرنیشنل اسلامی تبلیغی مشن

رفیق الحق مقیم برطانیہ کا مکتوب

دیارِ حبیبؐ میں کیا دیکھا....

ماہنامہ الحق یکم جنوری سے مل رہا ہے۔ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے دل کی آواز ہے آپ کے نام ایک مضمون " دیارِ حبیبؐ میں کیا دیکھا " کے نام سے دو قسطیں ارسال کی تھیں تیسری قسط آج ارسال ہے۔ بندہ نے جو کچھ دیارِ حبیبؐ میں دیکھا، میرے پاس الفاظ نہیں، دل نہیں، عقل نہیں کہ اسے بیان کر سکوں۔ خدا کرے ہمارے دلوں میں محبوبِ خدا کی محبت مال جان اولاد سے بھی زیادہ پیدا ہو جاوے۔ باقی میری کوشش ہے۔ کہ الحق کے اور لوگ بھی خریدار بن جاویں۔ تاکہ یہ پرچہ بہت اونچے درجے پر پہنچ جاوے۔ دین کی اشاعت کے لئے یہاں اسلامی لٹریچر کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ رسالہ مشرق لندن میں آپ کے الحق کا اشتہار شائع ہوا ہے جس کی نقل ارسال ہے۔ فقط (شمشیر علی خان راؤ عفی عنہ)

مضمون زیرِ نظر میں محبوبِ خدا کے پیارے مدینہ کا تاثر پیش کیا جا رہا ہے۔ آج پوری کائنات بے چینی کے سمندر میں غرق ہے۔ مگر پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے مدینہ میں وہ سکونِ قلب ہے۔ کہ دل چاہتا ہے۔ کہ یہاں ہی پڑے رہیں۔ جب مجھ جیسا سیاہ کار بھی روضۂ اطہر کی جالیاں پکڑتا ہے۔ تو سکون راحت اور فرطِ محبت و عقیدت سے یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ ابھی ابھی آنحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مخاطب ہونے والے ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے۔ کہ اسطوانہ جبرئیل سے ابھی ابھی جبرائیل نبی حضورؐ سے مخاطب ہو کر آسمان پر گئے ہیں۔ کبھی یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ ابھی ابھی عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نماز پڑھ کر نکلے ہیں۔ کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ اسطوانہ ابی لبابہؓ سے ایک صحابیؓ نے اپنے بدن کو جکڑ رکھا ہے۔ اور نبی صلعم خود اپنے مبارک ہاتھوں سے

ہمیں افسوس ہے کہ محترم مراسلہ نگار کی بھیجی ہوئی دو قسطیں ابھی تک مل نہیں سکیں ---- (ادارہ)

اپنی لیاقت کو کھول رہے ہیں۔ کبھی یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ نبی صلعم ابھی خطبہ دے کر نیچے اترے ہیں۔ یا یہ خیال بار بار آتا ہے۔ کہ آستانۂ پیغمبرؐ پر کوئی صحابی پہرہ دے رہا ہے۔ دل میں یہ تڑپ ہوتی ہے کہ یہ کھجور کا تنا جو ہے اسکو کتنی محبت تھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔۔۔ جب نگاہ اصحاب صفہ کے چبوترے پر جاتی ہے۔ تو دل میں ان بزرگوں کی پیاری محبت ٹھاٹھیں مارتی نظر آتی ہے۔ جن بزرگوں نے دین کی خدمت کیلئے اپنی ہر چیز قربان کر دی تھی۔ نبی صلعم کے دین پر اصحاب صفہ کا چبوترا آج بھی سینکڑوں بزرگوں سے بھرپور ہے۔ دور دراز ممالک سے آئے ہوئے بزرگ وہاں اصحاب صفہ کے چبوترے پر قرآن مجید حدیث نبویؐ پڑھتے ہیں۔ یہ سیاہ کار بندہ بھی ایک بار صحاب صفہ کے پیارے چبوترے پر بیٹھ گیا تھا۔ اور محبت اور عقیدت کے آنسو آنکھوں سے بہ نکلے ۔۔۔

تمام دن رات یوں گزر جاتی ہے۔ جیسے کوئی انسان سکونِ قلب اور راحت میں جنت الفردوس کی کیاریوں میں گھوم رہا ہے۔ میرا بچہ جسکی عمر ۱۲ سال ہے جسکی والدہ بھی نو مسلمہ ہے وہ بچہ جب مسجد نبوی میں جھاڑو دیتا ہے۔ تو دل میں بار بار خیال آتا ہے۔ کہ اے خداوند عالم محض اپنے فضل و کرم سے اس بچے محمد احمد کو اپنے دین کے لئے قبول فرما۔ اس بچے سے مسجد نبوی کے خادم سب بھی پیار کرتے تھے۔ رات کو جب مسجد نبویؐ کو بند کر دیا جاتا ہے۔ تو ملازم فرماتے ہیں کہ اے بچے محمد احمد جاؤ گھر کو اب بارگاہ رسالت والے آرام فرمانے لگے ہیں۔ تو احمد پکارتا ہے کہ میں نہیں جاؤں گا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام رات مسجد نبویؐ کو صاف کرتا رہوں۔ مگر مسجد نبویؐ کے ملازم بچے احمد کو وہاں مسجد نبوی سے ۱۲ بجے رات نکال دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ بچہ باہر مسجد نبوی روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پڑے رہو۔ صبح ۹ بجے فوراً اندر آجاؤ گے۔ بچہ مایوس ہو کر جھاڑو چھوڑ کر باہر آتا ہے۔ اگلے دن بچہ خود ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے۔ وہاں ایک خوش نصیب بزرگ کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ بچہ بھی ساتھ ہی نماز پڑھتا ہے۔ اور بزرگ کے جنازے کے ساتھ جنت البقیع میں جاتا ہے۔ اور وہاں میت سپردِ خاک کر دیتے ہیں۔ جب ہم جنت البقیع میں جاتے۔ تو بس آنکھوں میں پانی کے قطرے یوں بہ جانے لگتے کہ اے خداوند عالم تیری لاکھ لاکھ رحمت ہو۔ ان بزرگوں پر جنہوں نے تیرے دین کے لئے میدان بدر احد اور خیبر میں اپنی ہر چیز قربان فرمائی اس قبرستان میں دس ہزار صحابہ کرامؓ آرام فرما ہیں۔ مدینہ منورہ میں ایک ایک جگہ پر نبی صلعم کے نشانات ملتے ہیں۔ کیونکہ نبی صلعم نے اپنی زندگی کے دس سال یہاں گزارے۔ مدینہ کے لوگ

بہت بلند اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ بندہ ناچیز کو تو یہاں محسوس ہوتا تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ صبح ایک گھر کھانا ہے تو شام دوسرے گھر۔ ہماری جو مہمان نوازی مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ شاید ہی کسی کو ایسی محبت اور پیار والی زندگی نصیب ہوئی ہو۔ وہاں ہمارے مشن کے امیر اعلےٰ ڈاکٹر عبدالرحمان خان تھے۔ جو مجھ سے اپنے بچوں کی طرح سلوک کرتے تھے۔ ان کا ۱۸ مئی کو انتقال ہو گیا جس کا صدمہ ہنوز ہے۔ قارئین الحق ہمارے اس روحانی بزرگ کے لئے دعا فرمادیں۔

ہماری ملاقات مدینہ میں مولانا عبدالغفور صاحب عباسی سے بھی ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن خان کی وفات کے بعد مولانا عبدالغفور صاحب عباسی ہی ہمارے انٹرنیشنل تبلیغی اسلامی مشن کے امیر ہیں۔

مدینہ منورہ میں سید محمود احمد صاحب برادر مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی نے بھی ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کبھی وہ خود اپنے باغ میں سے جاتے کبھی ہم خود وہاں ان کے دولت کدہ پر چلے جاتے۔ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ایک بزرگ بابا حمید بیٹھے رہتے ہیں۔ جو نبی صلعم کے عقیدت مند لوگوں کی جوتیاں بوٹ وغیرہ رکھتا ہے، اسکی ملاقات ہمارے ساتھ میدان عرفات اور مزدلفہ میں ہوئی تھی۔ بابا حمید فرماتا ہے کہ میری دعوت کھانا ہو گی۔ ہم نے انکار کیا تو فرمانے لگے کہ نبی صلعم سے شکایت کروں گا۔ ہم نے کہا بابا اچھا ہم آپ کی دعوت کھانے کو تیار ہیں اسکی محبت میں بھی ہم کو نبی صلعم کی محبت اور عقیدت نظر آتی تھی۔ بابا حمید بہت اونچے بزرگ ہیں۔ گو وہ بارگاہ رسالت کے دروازہ پر صرف لوگوں کی جوتیاں رکھتے ہیں۔ مگر خدا کے بہت نیک بندے ہیں۔ جب بھی ہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو بابا حمید کی سرخ داڑھی ہم کو بہت پسند آتی اور ہم بھی وہاں بابے حمید کے پاس بیٹھ جاتے اور جوتیاں سنبھال رکھتے۔ دوسرے مسافروں کی مگر حمید کی زندگی میں سکون تھا۔ راحت تھی، اطمینان تھا۔ اس کے بعد ہمارے ایک بھائی حمزہ مدنی ملے جنکی وہاں موٹر کاروں کی مرمت کی دوکان ہے۔ ان کی محبت نے تو ہم کو اتنا مجبور کر دیا کہ ہم ہر روز ہی حمزہ مدنی اور بھائی غلام مصطفےٰ کے پاس جاتے اور بیٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی باتیں کرتے۔

مدینہ میں ہمارا قیام ۱۵ دن رہا۔ ۷۵ نمازیں ہم نے مسجد نبوی میں پڑھیں۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ پیارے حبیب کے اس پاک شہر کو چھوڑ کر جاویں مگر ابھی بیت اللہ کی ادائیگی کے لئے ہم نے مکہ کرمہ جانا تھا۔ بس آنکھوں میں آنسوؤں میں غم لئے ہوئے ہم دیار حبیب کو چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے۔

از قلم مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور
رفیقِ اعزازی الحق

موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب

موجودہ دور میں ملتِ اسلامیہ پورے عالم میں جس دینی انحطاط و اضمحلال کا شکار ہے، اسکی مثال پوری تاریخِ اسلامی میں نہیں ملتی ؂

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

امت جب زندہ تھی، اور اپنے فرائضِ منصبی دعوت الی اللہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف و مشغول تھی، دگر اقوام و ملل، اسلام کی حقانیت اور داعیانِ حق کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں، اور یدخلون فی دین اللہ افواجاً ۔ کا منظر پیش کرتی تھیں، ان کا تازہ خون امت کی رگوں میں دوڑتا تھا، اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیات تازہ پاتی تھی، بارہا سیاسی فاتحین کو امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرفات و کرامات نے مفتوح اور دین کا خادم بنا دیا جس کی سب سے نمایاں اور مشہور مثال تاتاری و منگول ہیں جو دولِ اسلامیہ اور خلافتِ عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے کچھ عرصہ بعد اسلام کے داعیانہ اثر سے مسلمان ہوتے ہیں، اور ترکانِ عثمانی اور ترکانِ تیموری کے نام سے پانچ سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔

جب سے امت کا دعوتی اور ملی شیرازہ بکھرا اور امت اپنے منصب اور اس سے پیدا شدہ تقاضوں اور مسائل کو بھلا بیٹھی، اور اپنے آپ کو دنیا کی عام اقوام کی طرح ایک قوم سمجھنے لگی اس کے شاہوں اور حکمرانوں نے تاج و باج و خراج کو مقصود گردانا، علماء و مشائخ نے عزلت نشینی اور مخصوص حلقوں میں تعلیم اور طالبین کی اصلاح پر اکتفا کر لی، عام امت نے غفلت و قعود کو شعار بنا لیا۔

امت بانجھ ہوگئی، اقوام کا داخلہ اسلام میں من حیث الجماعۃ بند ہوگیا، بلکہ پوری امت پر مردنی چھاگئی، مسلمان بے یقینی، عقائد میں تنزل اور کردار و اعمال کی خرابی کا شکار ہوگئے، کہ امت کا نفسِ ناطقہ، اس کا ایمانی شعور، اس کا دینی ذمہ داری کا احساس اور اس کا داعیانہ حاسہ تھا جس کی پژمردگی نے اس باغ کو مرجھاکر رکھ دیا ۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ۔۔۔۔ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آہ! سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش
اوسرافیل است و صور او خموش

امت کی اس غفلت و کوتاہی اور فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا عالمِ اسلامی قیادت و امامت، الٰہی رہنمائی اور نبوی تعلیمات سے محروم ہوگیا، اور انسان کی عقلی و ذہنی، روحانی و مادی قیادت، خدا ناآشنا، آخرت فراموش، روح ناشناس، بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ میں آگئی۔ ع

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

اور پورا عالم دینی ہدایات و برکات کے نور و اثرات سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت سے شبِ تاریک بن کر رہ گیا۔

امت کا سب سے اہم واقدم مسئلہ

اس وقت امت کے لئے سب سے اقدم و اہم مسئلہ اس کے دینی شعور، داعیانہ مزاج تبلیغی حاسہ، ایمانی حمیت و غیرت، اسلامی فکر اور مغیبات حقہ پر یقین کے احیاء کا ہے۔ تاکہ پھر سے مسلمانوں میں امت مبعوثہ کی حیثیت سے اپنے فرائضِ منصبی اور مفوضہ وظائف کی ادائیگی کا داعیہ و تقاضہ زندہ و بیدار ہو اور صحابہ کی طرح امت ایمان و یقین، اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے مزین ہو کر نیابت نبوت اور ہدایت رسانی خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امت دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے، تو اس کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس بارے میں قولِ فیصل ہے، آپ نے چند "دعاۃ" کو حج کے موقع پر دیکھا، آپ نے آیت کنتم خیر أمۃ اخرجت للناس پڑھی اور ارشاد فرمایا من سرہ ان یکون من ھذہ الامۃ فلیؤد شرط اللہ فیھا۔ (ابن کثیر ، ص ۳۹۹) یعنی جو شخص پسند کرتا ہے۔ کہ اس خیر الامم میں سے ہو تو اسے اسکی

شرائط کو پورا کرنا چاہئے۔ یعنی اسے امر بالمعروف نہی عن المنکر و ایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہئے، غور کیجئے جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو کہا جاتا ہے۔

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک	اے رسولؐ پہنچا دے۔ جو تجھ پر اترا تیرے رب
من ربک وان لم تفعل فما	کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ
بلغت رسالتہ۔ (المائدہ ۱۰)	پہنچا دیا، اس کا پیغام (رسالت)

گویا تبلیغ و رسالت کو مترادف قرار دیا، اگر امت محمدیہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی۔ اور نصرت الٰہی، سرفرازی و فلاح کے ان وعدوں سے محروم ہو جائے گی، جو اس منصب کی وجہ سے اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے نظریہ اساسی میں جو عموماً بگاڑ آگیا ہے۔ اور وہ اپنے مقصد حیات کو بھول چکی ہے۔ اسکی احیاء کے لئے پھر سے امت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ دعوت و تربیت اور نظام صلاح و اصلاح کو اپنانا ہوگا جس کے کچھ اجمالی اشارے گذر چکے کہ مزاج و طریقۂ نبوت قوام ملت ہے، کتاب اللہ نہ صرف کتاب ہدایت ہے۔ بلکہ صحیفۂ نظام ہدایت اور طریقۂ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے۔ بلکہ طرز دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبویہ نہ صرف امت کے لئے نمونۂ ہدایت ہے۔ بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تاقیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل، احسن و اعلیٰ اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔ امت آج جس بے یقینی، غفلت، غلط روی اور بے عملی بلکہ بدعملی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت و تبلیغ، احیاء دین کے لئے جدوجہاد، محنت و کوشش، ایثار و قربانی کے وہی عزائم و اعمال ہیں جن کا نقش حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتدائے اسلام میں عالم پر مرتسم کیا ہے ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی — علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

امت اگر زندگی چاہتی ہے، تو اسے پھر سے اسی داعیانہ جذبہ کو ہر قربانی کے باوجود زندہ کرنا ہوگا، حالات حاضرہ پر قناعت موت ہے ؎

تاکجا بے غیرت دین زیستن — اے مسلمان مردن است این زیستن
اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم — تاکجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرار دیں را فاش کن — نکتۂ شرع مبیں را فاش کن

امت کا سوادِ اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، نئی تعلیم یا دگر عوامل کی بنا پر دین سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے، اور جس طرح امت اپنی معاشرت و تمدن تہذیب و شعائر سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اور جسطرح اسلامی اخلاق و معاملات مٹ رہے ہیں، عبادات تک میں بے اعتنائی عام ہو چکی ہے۔ امہات عقائد تک میں تزلزل آ گیا ہے۔ اور جسطرح دنیا طلبی، دین سے بے رغبتی، الحاد و دہریت غفلت و بدعملی امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اگر امت نے کمال چابک دستی، سبک رفتاری، بلند ہمتی، عزمِ راسخ سے اپنی جملہ استعدادوں، توانائیوں، ظاہری و باطنی مادی و روحانی قوتوں کو حفاظتِ دین اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت و تبلیغ، افرادِ امت کی شخصی و اجتماعی اصلاح کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکم بدہن اندیشہ ہے کہ العیاذ باللہ اسلام کی نام لیوا موجودہ امت مٹا کر نہ رکھدی جائے۔ اور یہ امانت دوسروں کے سپرد کر دی جائے۔ (اللھم احفظنا)

دوسرا اہم مسئلہ فتنۂ مغرب کا مقابلہ

عصرِ حاضر کا دوسرا سب سے اہم مسئلہ جس سے امت طوعاً و کرہاً دو چار ہے، فتنۂ مغرب ہے۔ جسکی ہلاکت آفرینیوں نے پوری امت کو انتہائی خطرناک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔

آج مغرب کا سیاسی و ذہنی اقتدار و سیاست پورے عالم پر محیط ہے۔ مشکل یہ ہے کہ مغربی افکار و عقائد علوم و فنون، تہذیب و تمدن، سیاست و معاشرت، اقتصادیات و معاشیات، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور اس سے متعلقہ علم کی بنیاد نری مادیت اور ظواہر پر ہے۔ یہاں تک کہ نام نہاد مغربی روحانی اور مابعد الطبیعاتی افکار و تصورات بھی مادی آلائشوں سے پاک نہیں۔ بلکہ انہیں کا ثمرہ و نتیجہ ہیں۔ روحانی اقدار اور غیبی قوی سے انکار عصرِ حاضر کا خاصہ و امتیاز ہے ؎

عصرِ ما را رفتۂ آب و گل است
اہلِ حق را مشکل اندر مشکل است

تاریخِ انسانی نے اس سے بیشتر شاید ہی مادیت کا ایسا غلبہ و استیلاء و ترقی جگمگاہٹ دیکھی ہو۔ اشتراکیت نے تو کھلے بندوں "لا سلاطین" کی نفی کے ساتھ "لا کلیسا" و "لا الہ" کا منفی نعرہ بلند کر کے مغربی لادینی مزاج کا اظہار اور روحانی اقدار سے انکار کر ہی دیا ہے۔ بقول اقبال ؎

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ
لاسلاطین، لا کلیسا، لا الہ

لیکن جو اقوام مسیحیت کا دم بھرتی ہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب یہ قول یاد آ جاتا ہے۔

"یہ امت ہونٹوں سے تو میری تعظیم کرتی ہے۔ لیکن ان کے دل مجھ سے دور ہیں، اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں۔ کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ (انجیل مرقس ۷۔۸)

مغرب کے اس مادی و ملحدانہ مزاج کی بنا پر وہ تمام علوم و فنون جنہوں نے ان کے دل و دماغ سے فروغ پایا، اپنے اندر مادیت والحاد اور لادینیت کے اثرات کو سموئے ہوئے ہیں۔ وہ معاشی علوم و فنون جن کے بعض دنیاوی افادی پہلوؤں سے انکار نہیں، وہ بھی کریہہ اور مہلک اثرات سے نہیں بچ سکے اور "اثمهما اکبر من نفعهما" کے مصداق ہیں ۔

نکتہائے گفت او آمیختہ — در جلاب قند زہر ریختہ

ہاں مشو مغرور زاں گفت نیکو — زانکہ باشد صد صدی در زیر او (رومی)

ظاہر ہے جو تہذیب و تمدن ان لادینی و ملحدانہ نظریات پر استوار ہوگا، اسکی رگ و پے میں بے دینی، آخرت فراموشی، خدا بیزاری سرایت کئے ہوئے ہوگی۔ نتیجۃً اس تہذیب و تمدن کا جس قدر فروغ ہوگا، لادینی افکار و نظریات پھیلیں گے۔ ایمانی حقائق و بصائر سے اعراض، آخرت فراموشی، اور "رضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا" کی حالت کا چلن ہوگا۔ چنانچہ عالمگیر فتنۂ مغرب کی ہمہ گیری نے اس منظر کو ایک ناقابلِ انکار حقیقت بنا دیا ہے۔

فتنۂ مغرب اور اسلام و مسلمان

اور امتِ مسلمہ کو ایک انتہائی نازک و تشویشناک حالت سے دوچار کر دیا ہے۔ کہ اسلام ہی وقت کا الٰہی و آسمانی دین ہے، جس کے سپرد قیامت تک ہدایت خلق کا دائمی پیام و سامان ہے۔ اس بنا پر مغرب و جاہلیت حاضرہ کا اصل معرکہ و مقابلہ اسلام ہی سے ہے۔ کہ دوسرے آسمانی مذاہب و ادیان اپنا وقت پورا کر چکے، اور منسوخ ہو چکے۔ اس لئے ان سے اصلاً مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید برآں دیگر مذاہب تحریف و تغیر کے عادی ہیں۔ لیکن اسلام جیسا لافانی اور جاودانی دین کسی قطع و برید کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سانحہ کا سب سے اندوہناک پہلو یہ ہے کہ امتِ مسلمہ خود ان جاہلی علوم و نظریات کی زد میں ہے، اس وقت امتِ مرحومہ کا کوئی حصہ، خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو، کفر و الحاد زندقہ و دہریت اور مادہ پرستی کی ان مسموم ہواؤں سے محفوظ نہیں۔ (عرب و شام عراق و اُردن، ترکیہ و ایران اور پاکستان وغیرہ مسلم ممالک اور ان کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔) مسلم ممالک جس طرح مغربی افکار و معاشرت، تہذیب و تمدن کا شکار ہو رہے ہیں، اصحابِ فکر و نظر سے پوشیدہ نہیں، اشتراکی ممالک میں مسلمانوں کی جو حالت ہے۔ اس کا کچھ نظارہ یوگوسلاویہ میں دیکھا تھا، کیا لکھوں ۔

دیدۂ دل سے خون بہہ نکلا — ٹوٹے دیکھے ہیں چند پیمانے

غرض پورا عالمِ اسلام فتنۂ مغرب سے ایک عالمگیر و ہمہ گیر اور دور رس نتائج۔ کے حامل ابتلا میں گرفتار ہے۔ والی اللہ المشتکی ؎

در عجم گردیدم و ہم در عرب مصطفیٰ نایاب و ارزاں بو لہب

بقول حضرت سید العلامہ سلیمان الندوی قدس سرہٗ "تعلیم جدید کی نئی آب و ہوا نے تعزیج و فرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا (ہے) جس سے دین، عقائد و اعمال کی ہر چیز پر مردنی چھاگئی ہے۔ اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ بھی ہے، شکوک و شبہات کی کثرت اور شدت نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ ہمارے دار السلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں۔ ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی و رنگینی و بے حجابی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک و وضع و طرز ماندو بود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ علم و فن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت و گمراہی خیال کی غلامی میں مصروف ہے۔ اور سوائے تقلید و نقالی کے کوئی مجتہدانہ تعمیر ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوش ربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہوجاتی ہے۔ کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم و فن اپنا خاص ہے۔ اسی کو دوبارہ پیدا کرکے دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی و ملی غرض و غایت ہے۔"

بڑی مشکل یہ ہے کہ مادی سطوت و شوکت، طبیعاتی دسترس، اس کے تہذیب و تمدن کی ظاہری رونق و چمک دمک نے امت کے کثیر تعلیم یافتہ، ذہین اور صاحب اقتدار طبقہ کو اسطرح مسحور اور از خود رفتہ کر دیا ہے۔ کہ وہ مغرب ہی کو معیارِ حق و باطل سمجھنے لگا ہے، اور خیر و شر، حسن و قبح، نیکی و بدی، جائز و ناجائز کے الٰہی و اسلامی احکام و نظریات سے بے پرواہ ہو کر یورپ کی تقلید جامد میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ خود فراموشی اور مغرب زدگی امت کے وجود و بقا کے لئے تاریخ کا سب سے عظیم خطرہ بنتی چلی جارہی ہے۔ موجودہ عصری علوم کی تابانی نے الٰہی علوم کی حقیقت و منزلت گم کرکے رکھدی ہے، آج ہمارے فکر و ادراک کی جولانیوں، ہماری ذہنی و فکری کاوشوں اور قلبی اذعان و ایقان کا سرمایہ و اثاثہ بھی عصر نو کے علوم انسانیہ ہیں جنہیں ہم نے حقائق مطلقہ اور یقینیات کا درجہ دے دیا ہے۔ اور ان پر ہمارا ایمان و اعتماد اسطرح راسخ ہوچکا ہے کہ ہر علم و خبر جو ہمارے ان مفروضہ حقائق و یقینیات کے خلاف ہو ہم اس کے انکار کے درپے ہوجاتے ہیں۔ ■■

دنیا طلبی کا بحران

خدا طلبی کی بجائے اب یہ دنیا طلبی کا دور ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ زور شور کے ساتھ آیا ہے۔ اس مغربی تہذیب کے اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پرستی کا جو طوفان آیا ہے۔ اس کے لئے بحران و ہذیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے، مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے۔ جس کو جوع البقر کہئے یا استسقاء کا مرض، ہر طرف "ھل من مزید" کی صدا بلند ہے۔ زندگی کی ہوس اتنی بڑھ گئی ہے۔ اور معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ مسافر طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائر حرص کو کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں، دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار اور اونچی سے اونچی سطح تشفی کے لئے کافی نہیں۔

مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے، نہ دین کا، نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے۔ بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے۔ عالم خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے خوش فکر مصنفین جو چاہیں لکھیں، عملی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوت محرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے۔ اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے۔

مسٹر جوڈ کا قول صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ساری مغرب زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے:۔

"جو نظریۂ حیات اس زمانہ پر مستولی اور غالب ہے۔ وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ اور معاملہ کو پیٹ یا جیب کے نقطۂ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔"

کسی زمانہ کے ذوق اور رجحان عام اور حقیقی مسئلہ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں سے نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں۔ (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے۔) لیکن بعض اوقات یہ مصنفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم

گی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات واقعات کی بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں، زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روز مرّہ کی زندگی بے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوعِ سخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

اس اصول پر ریل کے طویل سفروں میں، صبح و شام کی سیر میں چائے اور کھانے کی میز پر پارک اور سیر گاہوں کے سبزہ اور نشستوں پر، احباب و رفقاء کی بے تکلف گفتگو کے موقع پر کان لگا کر سنئے کیا موضوع ہے؟

تنخواہوں کی کمی بیشی، افسروں کی رضامندی و نارضامندی، حکام کا تبادلہ اور ان کے مزاج و معاملہ پر تنقید، تجارتوں کا منافعہ، ٹھیکوں کے احکامات، بینکوں کے حسابات شرح سود، کمپنیوں کے حصص، انشورنس کمپنی کی پالیسی، پنشن اور پراویڈنٹ فنڈ، سبکدوشی کے بعد ملازمت کے امکانات فتوحات کے واقعات، خوش قسمتوں پر رشک، بدقسمتوں پر تاسف، اور اسی قبیل کی باتوں کے سوا آپ کوشش کے باوجود بھی کوئی موضوعِ گفتگو نہیں پائیں گے

یا پھر سیاسی حالات اور ان پر تبصرہ لیکن کسی اخلاقی نقطۂ نظر سے نہیں کسی نظامِ فاسد پر اخلاقی تنقید اور کسی نظامِ صالح کی تمنا کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مغرب اس بارہ میں امام ہے۔ اور ہندوستان کے ہندو اس "معاشی ہمہ اوست" میں اس کے قدم بقدم، اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اس کے نقشِ قدم پر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی صحت

جیسا کہ پچھلے پرچہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کے مرض ذیابیطس (شوگر) میں اضافہ کی وجہ سے انہیں ہسپتال داخل کیا گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ ۲۳ جولائی سے ۱۵ اگست تک ۲۵ دن پشاور لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں رہے۔ اب بحمداللہ مرض میں قدرے افاقہ ہے۔ ذیابیطس اور آنکھوں کا علاج گھر پر جاری ہے۔ اس کے ساتھ دورۂ حدیث شریف کے اسباق کی پڑھائی بھی آپ نے شروع کر دی ہے۔ تاہم مرض کا پورا ازالہ نہیں ہوا۔ تمام حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ حضرت کی علالت اور دوران قیام ہسپتال میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں احباب اور مخلصین اور ہر طبقہ کے افراد نے دور دراز سے تیمارداری کے اپنے مخلصانہ جذبات کا اظہار فرمایا، بے شمار افراد خطوط اور تاروں کے ذریعہ حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسکے علاوہ جگہ جگہ مساجد اور مدارس میں اہل علم اور عام مسلمانوں نے دعاؤں کا اہتمام کیا۔ نیز ہسپتال کے عملہ اور لائق ڈاکٹروں نے آپکے علاج معالجہ میں نہایت محبت اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے ان تمام محبین و مخلصین کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ اور سب حضرات کے سرخروئی دارین، عافیت تامہ اور رفع درجات کیلئے دعا فرمائی ہے۔

(احقر سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام)

عالم اسلام

ملتِ اسلامیہ کی عالمگیر برادری

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ۔ (القرآن)

سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو

اسلامی دنیا کا تعارف

اردن عثمانی ترکوں کو شکست دینے کے بعد دریائے اردن کے مشرق کا علاقہ انگریزوں نے شریف حسین کے لڑکے عبداللہ کو دے دیا تھا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو شرقِ اردن نے آزادی حاصل کر لی۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل سے جنگ کے دوران شرق اردن کی فوجوں نے دریائے اردن کے مغرب میں فلسطین کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا جس میں بیت المقدس کا قدیم شہر بھی شامل ہے۔ اس کے بعد سے ملک کا نام اردن ہو گیا۔ شاہ حسین جو طلال کے بیٹے اور عبداللہ کے پوتے ہیں ۱۹۵۲ء سے حکمران ہیں۔ اور مصر کے دباؤ کے باوجود اب تک اپنی بادشاہت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

کویت آبادی کے لحاظ سب سے چھوٹا عرب ملک اور رقبہ میں صرف لبنان سے بڑا لیکن فی کس آمدنی کے لحاظ سے کوئی اسلامی ملک کویت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سارا ملک ریگستان ہے۔ لیکن پٹرول کی وہ افراط ہے کہ پانی کے لئے کنواں کھودا جائے تو تیل نکل آتا ہے۔ پٹرول کی پیداوار میں اسلامی دنیا میں ہر ملک سے بڑھا ہوا ہے۔ جدید شہر کویت یورپ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ کچھ عرصے سے حکومت کویت نے ایک فنڈ قائم کر دیا ہے جس سے عرب ملکوں کو ترقیاتی کاموں میں امداد دی جاتی ہے۔ کویت ۱۹ جون ۱۹۶۱ء میں آزاد ہوا۔

لبنان دنیائے عرب کی مقبول ترین تفریح گاہ ہے۔ جو پہلے شام کا حصہ تھا۔ لیکن چونکہ یہاں مسیحی آبادی کا تناسب ۵۵ فیصدی تھا۔ اس لئے فرانس نے اپنے دور تسلط میں اسکو ایک علیحدہ مملکت بنا دیا۔ ملک اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن جسطرح لبنان کے سرسبز پہاڑ اور حسین ساحل دنیائے عرب میں اپنی مثال آپ ہیں اسی طرح جدید عربی ادب میں لبنان کے عیسائی ادیبوں اور شاعروں کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ قاہرہ کے بعد عربی علم و ادب

اور طباعت کا سب سے بڑا مرکز لبنان کا دارالحکومت بیروت ہے۔ لبنان میں خواندگی کا تناسب ساٹھ فیصدی سے زیادہ ہے۔ یعنی پوری دنیائے اسلام میں سب سے زیادہ آئین کے تحت صدر عیسائی ہوتا ہے۔ اور وزیر اعظم مسلمان ملک کا زیادہ حصہ زرعی ہے۔ اور یہاں پھل تمباکو زیتون کا تیل، ریشم اور روئی کی پیداوار عام ہے۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے ساتھ اس کے تعلقات خاصے خوشگوار ہیں۔ جس سے اس نے کئی معاشی معاہدے کئے ہوئے ہیں۔

عراق پہلی عالمی جنگ سے پہلے عراق ترکی خلافت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا۔ جنگ کے بعد انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں حجاز کے شریف حسین کے لڑکے شاہ فیصل کو عراق کا بادشاہ بنایا۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کو فوجی انقلاب کے ذریعہ شاہی خاندان کی یہ حکومت ختم کر دی گئی۔ اور پورے شاہی خاندان کو بشمول شاہ فیصل دوم قتل کر دیا گیا۔ عراق کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ اور عبدالکریم قاسم صدر بن گئے۔ فروری ۱۹۶۳ء میں ایک اور فوجی عبدالسلام عارف نے عبدالکریم کا تختہ الٹ دیا۔ اور خود صدر بن گئے۔ قیام جمہوریت کے بعد سے عراقی حکومت سوشلسٹ پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ زمینوں کی ملکیت محدود کر دی گئی ہے۔ اگرچہ دنیا کی اسی فیصد کھجوریں عراق سے برآمد ہوتی ہیں۔ لیکن پٹرول کو اس ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ پٹرول سے ہونے والی آمدنی کی مدد سے حکومت ترقی کے متعدد منصوبوں پر عمل کر رہی ہے۔ جن میں دجلہ اور فرات پر بندوں کی تعمیر کے منصوبے سب سے اہم ہیں۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ عربی سرکاری زبان ہے۔ بغداد دارالحکومت ہے۔ پاکستان کے ساتھ تعلقات بہت خوشگوار اور مضبوط رشتوں پر استوار ہیں۔

شام عراق کی طرح پہلی عالمگیر جنگ سے پہلے خلافت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا۔ اس کے بعد فرانس کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۹۴۱ء میں آزادی حاصل کی اور جمہوریہ شام وجود میں آئی۔ لیکن ۱۹۴۹ء میں کرنل زعیم نے فوجی انقلابوں کی ایسی بنیاد ڈالی جس کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں ابھی تک قائم ہے۔ یکم فروری ۱۹۵۸ء کو مصر سے الحاق ہوا۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۱ء میں علیحدہ ہو گیا۔ زرعی لحاظ سے خود کفیل ہے۔ لیکن معدنیات کی کمی ہے۔ ہاں حال ہی میں تیل اور قدرتی گیس کے وسیع ذخائر کا پتہ چلا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے شامی باشندے عرب ملکوں میں سب سے بہتر ہے۔ تعلیمی معیار بھی بلند ہے۔ عربی سرکاری زبان ہے۔ دمشق دارالحکومت ہے۔ اور اسلامی تہذیب کا قدیم مرکز ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ

مسلمان اور علوم و فنون

ترقی علوم و فنون کے متعلق انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں ، ۷۴۹ء خلفائے عباسیہ کے عہد میں علم ادب و فنون حکمت کا ظہور ہوا۔ اور المنصور ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون الرشید ۸۰۹ء تک بڑی فیاضی سے اسکی تربیت ہوئی۔ بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے۔ اور بادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی۔ اہل یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع اور مشتہر ہوئیں۔ خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ کے لئے صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دی جاوے۔ کہ تھوڑے عرصہ کے لئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھلا جاوے۔ فلسفہ حاصل کرنے کیلئے ایسی خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملے گی۔ مامون کے زمانہ میں بغداد ، بصرہ ، بخارا اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی۔ اور اسکندریہ ، بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے۔ اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا۔ اور عموماً دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانے والے نظر آتے تھے۔ فرانس اور ممالک فرنگستان سے جوق در جوق طالب علم اندلس کو جانے لگے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے۔ اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ جن میں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں۔ یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرا تو ثابت ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے۔ ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے۔ جغرافیہ ، تاریخ ، فلسفہ ، طب ، طبیعات ، اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے۔ اور عربی الفاظ جواب تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں۔ اور بہت سے ستاروں کے نام وغیرہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ہے۔ مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا۔ ایشیا و افریقہ جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علمی جغرافیہ میں پرانی عربی کتابیں اور سفر سیاحت گو سیاح تصنیفات ابو الفداء ، ہاجی خلیفہ ، لیو افریقانوس ، ابن بطوطہ ، ابن فضلان ، ابن جبیر البیرونی المنجم اور ان کی تحریریں

اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں۔ علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا۔ اور قدیم عربی مؤرخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے۔ محمد الکلبی ہے۔ جو ۸۱۹ء میں گیا۔ مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گذرے۔ اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تو ان میں اوّل مسعودی، طبری، حمزہ اصفہانی اور بر جبکیوس بطریق اسکندریہ ہیں۔ (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے۔) اس کے بعد ابو الفرج اور جارج الماقین (مرد عیسائی) اور ابو الفداء وغیرہ ہیں۔ نویری نے جزیرہ سیقلیہ کے تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے، فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں، اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی تمیمی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں جس کسی کو ان کے حالات دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطر ہمیر کے تصنیفات خصوصاً وان ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے۔ عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا۔ قرآن سے وہی نسبت ہے۔ جو اوسط زمانہ کے معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی، یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا۔ عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اس یونان کی بہت شہرت ہوئی۔ اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اسکی اشاعت ہوئی۔ گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا۔ منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی۔ اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں۔ الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفارابی جس نے ۹۵۰ء میں اصول میں کتاب لکھی۔ ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعہ اور طب کو جمع کیا۔ اور علم کیمیا اور تشخیص امراض و شناخت ادویات بنانے میں بڑی ترقی کی۔ ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی۔ الغزالی جس نے تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کی۔ ابوبکر بن طفیل جس نے اپنے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا۔ اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی القدر تھا۔ ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمولی مسدرین اور کی کتابوں میں مفصل ملے گا۔ بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے۔ ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو نیوسٹ نے معلومات جنوفید سے منسوب کیا ہے۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے۔ عرب ہی کی ایجاد ہے جو کہ نہایت قدیم اور وسیع علم چند لیعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے بعجون

بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی۔ اور دوائیں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی۔ اور جزیرہ صقلیہ کے ذریعہ یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا۔ دواسازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی۔ اور جندیسابور، بغداد، اصفہان، فیروزآباد، بلخ، کوفہ، بصرہ، اسکندریہ، قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے۔ اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے استثنار کی وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے ---
علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے۔ یعقوب کندی۔ ابن سینا۔ جس نے قانون لکھا۔ اور عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی

علی بن عباس، اسحاق بن سلیمان، ابوالقاسم زہراوی جس نے طب کی تکمیل کی۔ اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی۔ اور الجبر والمقابلہ کو بڑی ترقی دی۔ بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

الحسن نے علم مناظر و مرایا میں تصنیف کی اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ بن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب موسیقی کو تھادی اور سیریس نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوی البانی نے زمین کے حلقہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی۔ اور محمد بن الجبیر الثانی نے ذیقاد شمس کی دریافت کی۔ الفرجیش نے [illegible] کے جدول میں کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی۔

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اگر مسلمان اپنی ترقی چاہتے ہیں۔ تو دو چیزیں ضروری ہیں۔ ۱۔ اتفاق۔ تم سب متفق ہو جاؤ تو انگریز ہم کو تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گا ہمارے [illegible] حاصل کی یہ اس سے نہیں اور [illegible] کی وجہ سے ہے۔ بلکہ اللہ کے وعدۂ نصرت کی وجہ سے ہے۔ جو اتفاق و اتحاد کا نتیجہ ہوتا ہے --- دوسری چیز شیخ الہندؒ نے قرآن مجید بتلائی۔ کہ اسے پڑھیں، سمجھیں، اس پر اکٹھے ہوں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں، اور قرآن مسلمانوں کے دماغ میں اسلام کی طرح رچ بس جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے قید و بند کی مشقتیں اٹھائیں اور ساٹھ ستر سال کے مجاہدات کے بعد زندگی بھر کا تجربہ دو لفظوں میں پیش کیا کہ اگر تم میں اتفاق ہے اور قرآن پر عمل ہے۔ تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی۔ انگریز اور دوسرے دشمنوں کی ساری کوشش یہ ہے کہ قرآن سے ہمارا رشتہ کاٹ دیا جائے۔ انہوں نے کالجوں اور دیگر تحریکوں کو اسی خاطر چلایا۔ آج مسلمان تمام دن ریڈیو سے گانا بجانا سن رہے ہیں۔ مگر تلاوت یا درس قرآن سن لیں تو اسے فوراً بند کر دیتے ہیں۔ یہ قرآن سے نفرت نہیں تو کیا ہے۔ اسی طرح دشمن نے ہم میں دھڑے بندی اور فرقہ بندی سے کوشش کی کہ ہم میں اختلاف پیدا ہو۔ دوسری بات یہ کہ ہر شخص سوچ کر بتائے کہ کتنا قرآن پڑھا۔ کتنا یاد کیا اور کتنا اس پر عمل کیا۔ اور پھر دیکھئے کہ کس طرح اسلام کا جھنڈا دنیا بھر میں بلند ہوتا ہے۔ انشاء اللہ۔

(شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب۔ اقتباس از خطبہ جمعہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

بنام ابنائے عصر حقانیہ

مرتب مولانا قاضی فضل دیان (فاضل دارالعلوم حقانیہ)

ناظم دارالعلوم عمرزئی

گلہائے رنگ رنگ

حق گوئی و بیباکی

جوانمردوں کا آئین حق گوئی و بیباکی ہے۔ واحد القہار کی قہاریت و جباریت پر ایمان و یقین رکھنے والے دنیا کی قاہر و جابر شخصیتوں کے سامنے حق گوئی سے کبھی نہ چوکے، انہوں نے ہمیشہ اپنی حق پسندی کا وہ ثبوت دے گئے جس کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ ع

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

اس سلسلہ میں ایک عبرت انگیز واقعہ سنئے جس کے راوی کوئی حاطب نہیں بلکہ محدث دہلویؒ جیسا ثقہ اور معتبر محدث ہے۔ لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی تمنا تھی کہ مولانا کمال الدین زاہد کو اپنی نماز کا امام بنائے، اس نے مولانا کو طلب کر کے فرمایا: مولانا ہمیں آپ کے علم و عمل دیانت و تقویٰ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس لئے اگر آپ کرم فرما کر ہماری امامت کی ملازمت پسند فرمائیں تو آپ کی عنایت ہوگی اور ہم کو اپنی نماز کی مقبولیت کا یقین و اذعان ہوگا۔

محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ اس درخواست کا جواب دیتے ہوئے فقیر غیور نے کہا کہ:

"در ما جز نماز چیزے نماندہ است اکنوں بادشاہ چہ می خواہد کہ ایں ہم از ما برد" (اخبار الاخیار ص[illegible])

ہمارے پاس نماز کے سوا اب رہ ہی کیا گیا ہے؟ کیا بادشاہ اس دولت پر بھی یورش کے لئے تیار ہو گیا! مولانا کی ایسی صاف گوئی پر سلطان وقت چپ رہ گیا۔

دیکھئے! آج حکومت کے چھوٹے چھوٹے مناصب اور حقیر عہدوں پر اپنی برتری کے لئے ذلیل و ادنیٰ ہتھکنڈوں کو استعمال کر کے بھنچ رہے ہیں۔ اب ان واقعات کی تکذیب پر طلاقت لسانی کے تمام جوہر کیوں نہ صرف کر دیں تو اور کیا کریں کہ اپنی حرص و آز کی شرمناک تفصیل اب اسی طرح چھپائی جا سکتی ہے۔

بوتراب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زبان حق ترجمان نے "بوتراب" کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ اسلامی تاریخ کی یہ اولوالعزم شخصیت اور صحابہؓ کے دور کے مقدس و برگزیدہ

ہستی تمام عمر خاکساری کا مظاہرہ کرتی رہی جس زمانہ میں مسلمانوں کی وسیع ترین آبادی جو پاکستان سے کئی گنا بڑی تھی کے مختار امیر تھے۔ اس وقت بھی بوترابی کیفیات سے دل و دماغ سرشار رہے۔ کوفہ جو امیر رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا وہاں جب پہنچے تو ابن سعد نے لکھا ہے۔ کوفہ میں محل یعنی قصر الامارۃ موجود تھا لیکن حضرت امیر رضی اللہ نے کوفہ میں قیام کا جب ارادہ فرمایا اور لوگوں نے قصر الامارۃ میں فروکش ہونے کی آرزو کی تو آپ نے انکار فرما دیا اور کوفہ کے شہری میدان میں پھوس کی چند جھونپڑیاں جو پڑی ہوئی تھیں انہیں میں اہل و عیال کے ساتھ اقامت گزیں ہو گئے اور اسی حالت میں جام شہادت بھی نوش فرمایا۔ (ابن سعد صفحہ ۱۱۹)

معمولی گرمی کے زمانے میں سرد مقامات پر حکومتوں کے کاروبار کو منتقل کرنے والے جو عوام کی دولت کو بے دریغ لٹا رہے ہیں۔ اور عیش سے زیادہ عیاشی میں وقت گذار رہے ہیں، وہ بتائیں کہ جمہوریت یہ ہے جس کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ یا زیادہ صحیح جمہوریت پسند بوتراب تھا جس نے کاخ کو چھوڑ کر خاک کو پسند کیا اور بیت المال کی ایک کوڑی بھی معمولی بود و ماند کے لئے ناجائز طریقہ پر استعمال کرنے کا روادار نہ ہوا۔

فراست مومنانہ ایمان و اسلام کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ایک مومن میں بھی یہ نور فراست پیدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مومن کی فراست نبی کی فراست کے مقابلہ میں کم اور کیف دونوں اعتبار سے ہلکی ہوتی ہے۔ تاہم مومن کا قلب اس دولت سے خالی نہیں رہتا۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ سنیئے لکھا ہے کہ:۔

ایک آتش پرست اپنے مخصوص مذہبی لباس میں حضرت جنید بغدادیؒ کی مجلس میں پہنچا اور جنیدؒ سے کہنے لگا۔ شیخ "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ" کا کیا مطلب ہے۔ جنیدؒ نے یہ سوال سن کر تھوڑی دیر کیلئے اپنے سر کو جھکا لیا اور اس کے بعد کہا " اچھا اسلام قبول کرو تمہارے اسلام لانے کا وقت آ پہنچا۔ چنانچہ وہ فوراً اسلام لے آیا۔"

امام یافعیؒ کہتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں، اس میں جنیدؒ کی ایک ہی کرامت ہے۔ حالانکہ اس واقعہ میں جنیدؒ کی دو کرامتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جنیدؒ نے پہچان لیا کہ یہ کافر ہے۔ اور دوسری یہ کہ اس کے اسلام لانے کے متعلق بھی پیشگوئی کر دی۔

XXXXXXXXXXXXXXX
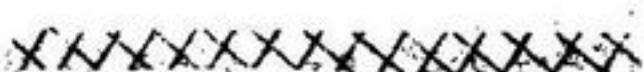
جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی - لاہور
رفیقِ اعزازی - الحق

چند لمحے مجلسِ اولیاء میں

محترم مولانا محمد اسحاق صاحب ملک کے جانے پہچانے صاحبِ قلم اور میدانِ صحافت و تحقیق کے شہسوار ہیں۔ عرصہ تک معاصر الاعتصام اور منہاج کے مدیر رہے۔ اور اس وقت ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے علمی مشاغل میں مصروف ہیں۔ انہوں نے از راہِ عنایت مستقلاً الحق کو اپنے رشحاتِ قلم سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ادارہ بصد تشکر و امتنان ان کے نگارشات کی پہلی قسط پیش کر رہا ہے۔ "ادارہ"

عروہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحب زادۂ گرامی قدر تھے۔ آپ کی والدہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں۔ عروہ نہایت نیک اور متدین بزرگ تھے۔ آپ کا قول ہے:

بسا اوقات ایک معمولی سی چیز جسے میں اپنا لیتا ہوں، مجھے بہت بڑی عزت و تکریم کا حامل بنا دینے کا باعث بن جاتی ہے۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ۲ - ص ۴۷)

عروہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

اے میرے بیٹو! علم حاصل کرو۔ اگر تم قوم کے چھوٹے درجہ میں شمار ہوتے ہو تو بہت قریب ہے کہ علم کی وجہ سے بڑے مرتبہ پر فائز ہو جاؤ اور تمہارا شمار معززین قوم میں ہونے لگے۔ یاد رکھو جاہل اگرچہ کتنی ہی شخصیت کا مالک ہو مگر اس سے زیادہ قبیح اور کوئی شے نہیں ہے۔ (صفۃ الصفوۃ)

سالم رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے دور کے نہایت اونچے اور متقی انسان تھے۔ ان کے بارہ میں سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

مشہور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک، کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے تو اس کا سامنا سالم بن عبداللہ سے ہوا۔ اس نے کہا۔ "سالم! کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ میں اسے پوری کروں گا۔"

سالم نے جواب دیا۔ "مجھے اللہ سے شرم آتی ہے۔ کہ میں اس کے گھر میں اس کے سوا

کسی اور کے سامنے دست سوال دراز کروں۔"

جب سالم بیت اللہ سے باہر نکلے تو ہشام بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔ اور کہا "اب بتائیے۔ اب تو آپ بیت اللہ سے باہر آگئے ہیں۔" سالم نے پوچھا "میں آپ سے اپنی دنیا کی ضروریات کے بارہ میں سوال کروں، یا آخرت کی ضروریات کے بارہ میں۔" ہشام نے جواب دیا "دنیا کی ضروریات کے بارہ میں۔" سالم نے کہا "میں نے تو دنیا کی ضروریات کے بارے میں کبھی اس سے بھی سوال نہیں کیا۔ جو دنیا کا مالک ہے۔ اس سے کیونکر سوال کروں جو اس کا مالک نہیں ہے۔" (صفۃ الصفوۃ جلد ۲۔ صہ ۵۱)

ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ تعالی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ علم و فضل اور زہد و تقوی میں ان کا رتبہ بڑا بلند تھا۔ ان کا قول ہے:

غنا اور عزت دونوں مومن کے دل میں گھومتی رہتی ہیں۔ جب وہ توکل کے مقام پر پہنچ جائے تو اسے اپنا مسکن قرار دے لیتی ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ۲۔ صہ ۶۰)

راوی ہیں کہ ابوجعفر محمد بن علی نے اپنے بیٹے کو ازراہ نصیحت کہا:

کاہلی اور بے قراری سے اپنا دامن بچا کر رکھو۔ یہ دونوں برائی کی کنجیاں ہیں۔ اگر تم کاہل ہو جاؤ گے تو اپنا کوئی بھی حق اور کوئی بھی ذمہ داری ادا نہ کر پاؤ گے۔ اور اگر بے قراری میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ تو اپنے حق اور صحیح معاملہ میں صبر نہ اختیار کر سکو گے۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ۲ صہ ۶۱)

مجاہد بن جبیر تابعی ہیں۔ طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالحجاج تھی۔ ان کا قول ہے:

جو شخص اپنے آپ کو معزز اور محترم قرار دے لے گا۔ وہ اپنے دین کو ذلیل بنا لے گا۔ اور جو اپنے آپ کو کم درجے کا سمجھ لے گا وہ اپنے دین کو معزز اور مکرم ٹھہرا لے گا۔

(صفۃ الصفوۃ جلد ۲۔ صہ ۱۱۷)

عبداللہ بن عبید بن عمیر فصحاء مکہ میں سے تھے۔ تابعی تھے۔ نہایت صالح بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۱۱۳ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ان کا کہنا ہے:

جو شخص تقوی اختیار کرے اور پرہیزگاری اور دنیا سے بے نیازی کو اپنا مطمع نظر ٹھہرا لے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی دنیا دار کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جائے۔ (صفۃ الصفوۃ ۱۲۶/۲)

عرض مصائب بجناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

—— از جناب ابوالحسن صاحب فردؔ ——

ایک قلمی کتاب سے نعتیہ کلام از حضرت ابوالحسن صاحب نقل کر رہا ہوں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خرقانی صاحب ہیں یا کوئی اور۔ اس نوعیت کے مضامین اپنے بزرگوں کے مؤلفہ یا منقولہ قصائد میں مطبوعہ ضرور ہیں۔ (قاضی عبدالکریم کلاچی)

یا رسولِ عربیؐ قبلۂ حاجات روا	مستغیث آمدہ ام چارۂ کارم فرما
دردمندیم و جگر ریش مرا مرہم نہ	چارہ سازا کرم تست بہر مرض دوا
دل پُر از آبلہ دارم ز ہجوم صد رنج	ای نسیم کرمت عقدہ کشائے دلہا
بہر زہراؓ و علیؓ و حسنؓ و بہر حسینؓ	نظر لطف بحالم بکن ای عقدہ کشا

جز درت نیست مرا جائے پناہ دیگر

کیست تا حال بپرسد ز من فردؔ گدا

۱؎ اعنی ما یمکن و یجوز طلبہ من الانسان کالحوائج العلمیۃ والعملیۃ الشرعیۃ و طرق الحصول الی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ چنانچہ اسی معنی میں شیخ الہندؒ کے مرثیہ میں حضرت گنگوہیؒ کو قبلۂ حاجات فرمایا گیا ہے۔

۲؎ وھذا کقول الآخر اعشنی یا رسول اللہ انی لمغبون وتنطنی العظام۔ (قصیدہ نعتیہ غالباً مترجمہ حضرت تھانویؒ مندرجہ مناجات مقبول)

۳؎ اما ندار الشوق فی الابیات المختلفۃ والمقطع فلقول حجۃ الاسلام النانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی قصائدہ الطیبہ ؎ مدد کر ای کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

شاہنامہ بالاکوٹ سے اقتباس

معرکۂ اکوڑہ خٹک

طریق جنگ کا فیصلہ

خبر پہنچی کہ دشمن دس ہزار افراد رکھتا ہے
وہ توپیں اور بندوقیں لاتعداد رکھتا ہے

ادھر اسلام کے جانباز مٹھی بھر سپاہی تھے
نفوس پاک تھے سرشار تائید الٰہی تھے

نہ ان کے پاس توپیں تھیں نہ تھا بارود پر تکیہ
اگر کچھ تھا تو نصرٌ مِن المعبودٌ پر تکیہ

نہ خودیں تھیں نہ ہمیزیں نہ زرہیں تھیں نہ بکتر تھے
نہ سب کے پاس بندوقیں نہ سب کے پاس خنجر تھے

بھروسہ تھا فقط ان کو خدا کی دستگیری پر
وہ تھے انصار احمدؒ ناز تھا ان کو فقیری پر

شہادت کی تمنا میں وہ مجنوں وار آئے تھے
کوئی ہتھیار پہنے کوئی بے ہتھیار آئے تھے

نہ دشمن کے مقابل قوت و سامان رکھتے تھے
نہ گھوڑے تھے نہ چرخے تھے فقط قرآن رکھتے تھے

یہ پہلا معرکہ تھا امتحاں جوش و شہامت کا
ترازو تھا یہی ان کے ثبات و استقامت کا

یہ پہلی جنگ تھی درپیش سیدؒ کی جماعت کو
یہیں سے پھیلنا تھا دین و آزادی کی دعوت کو

جہاد حریت اس کے نتائج ہی پہ ہونا تھا
یہیں سے تخت پانا تھا یا تختے کو بھی کھونا تھا

یہیں اللہ نے اہل حزم کو آزمانا تھا
یہیں پر مصطفےٰؐ کے عاشقوں کو پرکھا جانا تھا

جناب سید والا نے اب شوریٰ کو بلوایا
طریق جنگ کے سب پہلوؤں پر غور فرمایا

بڑی دیدہ وری سے صورت حالات کو جانچا
ہر اک کی رائے کو تولا ہر اک کی بات کو جانچا

بالآخر طے ہوا کہ اک جماعت پار اتاریں گے
عدو پر شب کے پچھلے پہر میں شبخون ماریں گے

خلاصۂ مراسلات

مجلسِ احبابُ الحق

ایک دلِ دردمند کی پکار | ڈاکٹر فضل الرحمان کے تشکیکی نظریہ پر آپ کا تردیدی مضمون "ترجمانِ اسلام" میں پڑھا، بہت مسرت ہوئی، حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں، ڈاکٹر موصوف جن الحادی نظریات کو استشراقی اسلحہ کے زور سے اسلام کے سر منڈھ رہے ہیں، اور حکومت ان کی جسطرح پذیرائی کر رہی ہے، وہ وقت کا سب سے بڑا مسئلہ اور علماء کرام کی توجہ کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔ "فکر و نظر" کے تمام فائل آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے، ظالم نے جاہلیتِ جدیدہ کی ایک ایک چیز کو اسلام کا نام دے ڈالا ہے۔ عائلی قوانین اور منصوبہ بندی نافذ کئے جا چکے ہیں۔ اور شدید خطرہ ہے کہ "تحقیقاتِ اسلامیہ" کی تمام تحریفات، قانونی شکل اختیار کر کے ہم پر مسلط ہو جائیں گی ۔۔۔ ادہر ہمارے جمود یا سکوت کا یہ عالم ہے کہ ان تحریفات کے خلاف ملک گیر آواز چہ معنیٰ، انفرادی آواز بھی بہت کم ہی اٹھائی گئی، شرح زکوٰۃ ہی کو لے لیجئے، کتنے علماء کے قلم سے اس کی تردید نکلی؟ میں آپ سے آپ کے مؤقر مجلہ الحق سے اور آپ کے مدرسہ سے اپیل کروں گا، کہ اس شدید تقاضے کے لئے علماء کو بیدار کریں، خط و کتابت ملاقات اور دیگر تمام ممکن وسائل سے اس فتنہ کے انسداد کے لئے سعی کی جائے۔ جسطرح پرویز کے خلاف متفقہ فتویٰ شائع ہوا۔ اسی طرح "فضلی فتنہ" کے خلاف جب تک اجتماعی مساعی بروئے کار نہ لائی جائیں گی اس وقت تک اس کا انسداد ممکن نہ ہوگا، اس سلسلہ میں چند تجاویز معروض ہیں:۔

۱۔ اولاً ملک کے تمام مذہبی اور دینی رسائل اخبار اور جرائد کو اس کے خلاف مسلسل تردید۔ لیکن غیر جذباتی رنگ میں ۔۔۔ دلائل کی روشنی میں لکھنے پر آمادہ کیا جائے، تاکہ رائے عامہ اس فتنہ کے مہیب عواقب کو سامنے لا سکے۔

۲۔ ۔۔۔ جن موضوعات کو تحریفات کا نشانہ بنایا جا چکا ہے، یا آئندہ بنایا جائے گا، متعدد اہل علم اور اہلِ قلم حضرات کے ذمہ ایک ایک دو دو عنوان لگائے جائیں۔ کہ وہ تفصیلاً ان تحریفات کی عقلی اور نقلی دلائل سے نقاب کشائی کریں، معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈاکٹر موصوف کے ادارے نے باقاعدہ ایک

گروہ تیار کر رکھا ہے۔ جن سے مختلف موضوعات پر مقالات لکھائے جاسکتے ہیں۔ ہمیں بھی یہی کرنا ہوگا۔ ورنہ ہر مضمون کا جواب ایک ہی آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

۳۔۔۔ علماء کرام کی ایک جماعت مسائل جدیدہ کے صحیح حل پر غور کرنے کیلئے مقرر کی جائے۔ یہی معاشرہ کے مسائل ہیں جن کی آڑ میں تحریفات کا شغل اختیار کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی اس کمزوری کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ اب تک معاشرتی مشکلات کا حل از روئے اسلام ہم پیش نہیں کر سکے ہیں۔ اگر ہم اس میدان کو خالی چھوڑ دیں گے تو نااہل لوگوں کو موقع مل جانا قدرتی چیز ہے۔ علماء کرام کی طرف "عوامی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ" کا قائم ہونا وقت کی اہم پکار ہے۔

۴۔۔۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کر چکا ہوں، حکومت کی زیر نگرانی یہ تمام تحریفیں ہو رہی ہیں، اس لئے ہمارے اکابر پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے، کہ حکومت کا ذہن صاف کرنے کیلئے ہر قسم کی تدابیر ممکنہ اختیار کریں۔ وفود کی شکل میں ملاقاتیں کریں۔ خط و کتابت کے ذریعہ ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کریں۔

۵۔۔۔ عربی مدارس کی تعداد میں روز بروز جس قدر اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اسی قدر ہمارے طلبہ اصل اسلامی روح سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ نئی پود میں تعلیم و تحریر، تبلیغ و افتاء، اور درس و تدریس کی صلاحیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور فتنے روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس نئی جماعت میں سے افراد کا انتخاب کر کے ان میں یہ صلاحیتیں بیدار کرنی پڑیں گی۔ ورنہ مستقبل قریب میں تمنیۃ ولیس لہا ابا حسن پر صبر کر کے بیٹھ جانا پڑے گا۔

میں جانتا ہوں کہ تجاویز پیش کر دینا آسان لیکن عملی جامہ پہنانا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم یہ مزید عرض کروں گا کہ ہمیں یا تو اسلام کے بقاء کی تدابیر پر محنت کرنی پڑے گی، خواہ اس کے لئے وقت، مال اور جان کی قربانی بھی دینی پڑے، ورنہ ہمیں اسلام کی اس حالتِ زار پر صبر کرنا پڑے گا، ہماری بدقسمتی اور نالائقی کی انتہا ہو گی اگر ہم اسلاف کے چودہ سو سالہ محفوظ ورثہ کی حفاظت نہ کر سکیں۔

(مولانا محمد یوسف ماموں کانجن لائل پور)

اپنے مشفق ترین استاذ شیخ التفسیر والحدیث جامع الکمالات العلمیۃ والعملیۃ قبلہ حضرت صاحب سرگودھوی نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے ساتھ ساتھ حضرت افغانی دامت برکاتہم حضرت مولانا بنوری مدظلہ حضرت شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ مدظلہ کی خبرِ علالت اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ کی اطلاع ضعف و نقاہت نے آنکھوں میں اندھیرا کر دیا۔

خیال آنے لگا، مذہبی درندوں کی یلغار میں حفاظتی دستوں کے ایک ایک جرنیل کو یکے بعد دیگرے یونہی جلا دینے کا مقصد اس کے بغیر یا ہی کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام کے نام لیوا بھیڑوں کے حق میں تولہ ماتولی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک مکتوب کے ذریعہ حضرت افغانی مدظلہ اور الحق بابت اگست ۱۹۶۶ء کے ذریعہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت یابی کی اطلاع مژدہ جاں فزا ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ سبھی حضرات کو تا زلیست مزید بامسرت رکھے آمین ---- الحق کی بلند پروازی اور روز افزوں محبوبیت سے دل میٹھا ہی ہوتا ہے۔ والحمدللہ اداریہ میں بفضل اللہ غضب کی جان ہوتی ہے۔ ہر اداریہ پر مبارکباد دینے کو دل چاہتا ہے۔ جولائی کے اداریہ کو پڑھ کر تو آپ ہی مسئلہ کلیم کی تفصیلات ارسال کرنے گویا بطور انعام پیش کرنے کا ارادہ ہوا۔ مگر ---------

خاندانی منصوبہ بندی والوں سے کہہ دیجئے کراچی میں پچاس فیصد لوگ آج کل اسی مرض (نارو) میں مبتلا ہیں اور عدم اشتہا میں سب یکساں، فرمائیے غلہ کا یہ بچاؤ اسٹاک کہاں پہنچایا جائے۔ کیا مرض نارو (غلہ بچاؤ) کی یہ تحریک تخم انسانی کے دلدادوں کو غور و فکر کی دعوت نہیں دے رہی ---- ؟ نارو بفضل خدا آپ کے علاقہ میں نہیں ہوگا۔ اس لئے مختصر عرض ہے۔ کہ یہ ایک سخت ترموزی لمبا کیڑا ہوتا ہے۔ تقریباً دو اڑھائی فٹ تک طویل ہو جاتا ہے۔ پھر ایام گرما میں جسم کے کسی حصہ سے نکلنا شروع کرتا ہے۔ تو ورم۔ درد۔ بخار اور تلخی دہن اور عدم اشتہا اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ مرض دو تین ماہ تک بھی طویل ہو جاتا ہے۔

پچھلے اداریہ میں آپ نے مریض غفلت مدعیان علم و تقوی کو جھنجھوڑتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہاں آ پہنچی بسم اللہ کے گنبد میں ---- الخ جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ حکیم الامۃ حضرت تھانوی نے اس جملہ کے استعمال پر خاصی گرفت فرمائی ہے۔ مگر نہ محل اور موقعہ اس وقت یاد ہے اور نہ تفصیل ------

تجارتی فرم میں حضرت اقدس مدظلہ کا خطاب نہایت معیاری معلومات افزا اور جیسا کہ چاہئے محققانہ ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ۔ ابتداء مضمون میں ایک جملہ کہ آمدنی اور نقصان بٹائی کے طریقہ پر دونوں کو ملے" کی حاشیہ پر وضاحت ہو جاتی تو کسی کو یہ شبہ نہ پڑتا کہ مضاربت صحیحہ میں مضارب بھی نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے ----

(عبدالکریم عفی عنہ۔ نجم المدارس کراچی)

نوٹ: ادارۃ الحق حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی صحت و عافیت کیلئے دست بدعا ہے۔ اور قارئین سے بھی دعا کی درخواست کی جاتی ہے۔

انتخاب واقتباس

جگر لخت لخت

آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں، مادیت الحاد، قوم پرستی، نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں ملانے کے لئے تیار ہے۔ آج مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہا ہے۔ اور نبوت محمدیہ کو چیلنج کر رہا ہے۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ آپکے قلعہ میں شگاف پیدا کئے جارہے ہیں۔ آپ کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جارہا ہے۔ اگر آج امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ بن حنبل ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں۔ کہ شاید وہ فقہ کی تدوین بھی تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے۔ اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے۔ تم خوش قسمت ہو، کہ فقہ حنفی، فقہ شافعیؒ کی تدوین کی سعادت تمہارے لئے مقدر نہیں ہے۔ اللہ کی حکمت بالغہ اور اسکی قدرت کاملہ نے اس کے لئے پہلے ہی انتظام کر دیا۔ اور امت کو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ جیسے آئمہ عطا کئے۔ جبکہ ایک لمحہ اور ایک منٹ کی تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ تم خوش قسمت ہو، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں۔ آج تمہارے لئے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے، تمہارے لئے دہریت، مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے۔ یقین مانو کہ اس سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کی روح ہی نہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہوگی۔ آج کب سے یہ صدائیں لگ رہی ہیں۔ کہ سہ

گرسئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند — کس بہ میدان درنمی آید سواراں راچہ شد

آج عالم اسلام کی نگاہیں ان درسگاہوں کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جو ان باتوں کی سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتی ہیں۔ جن کے بانیوں نے اپنے نصاب و نظام میں اسکی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ جب عہد حاضرہ کا کوئی نیا فتنہ پیدا ہو۔ تو ہمارے فضلاء اس کو سمجھ سکیں ———— اور اس کا

مقابلہ کر سکیں ___ (مولانا ابوالحسن علی ندوی - ندوۃ العلماء میں خطاب) - (تعمیر حیات لکھنؤ)

نیشنل ہیرلڈ ۱۰ر جولائی میں خودکشی کے موضوع پر ایک کتاب کے تبصرہ کے ذیل میں اعداد ذیل بھی شائع ہوتے ہیں بسنہ ۱۹۵۱ء میں غیر کیمونسٹ یورپ میں ۵۰ لاکھ بچے پیدا ہوتے۔ ان میں سے تقریباً ۳۰ لاکھ ۷۰ ہزار ناجائز تھے۔ امریکی کالجوں کے ایک جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ طلبہ و طالبات کی تعداد ۱۳۶۴ میں سے تقریباً ۴۰٪ کو جنسی تجربے ہائی سکول ہی کے درجوں میں حاصل ہو چکے تھے۔ انگلستان میں بن بیاہی ماؤں کی تعداد کل ماؤں کی ۲۵ فیصدی ہے۔ فن لینڈ میں خودکشی کے واقعات ہر لاکھ ۲۱۷۹ ہوتے ہیں۔ اور تبصرہ نگار کو کتاب کے حوالے سے لکھنا پڑا ہے۔ کہ مغربی ملکوں میں زنا بالجبر کے واقعات اور اسی سے ملتے ہوتے جرموں کی کثرت۔ اور ناجائز ولادتوں اور بن بیاہی ماؤں کی کثرت تناسب دیکھ کر انسان حیرت سے مبہوت رہ جاتا ہے ___ حالانکہ جب حالات اور محرکات جب خود ایسے جمع ہیں۔ جو خانگی سکون کو قدم قدم پر غارت کرنے والے ہوں۔ اور معاشرہ خود انہیں پسند کئے اور رواج دئے ہو۔ اور قید نکاح کو تمام تر بے وقعت بنا دینے والے ہوں۔ اور انسان کو محض ایک جنسی جانور کی سطح پر لے آنے والے ہوں۔ تو اوپر کے درج کئے ہوتے نتیجوں میں سے کسی نتیجہ پر بھی حیرت کرنا خود موجب حیرت ہے ___ (عبدالماجد دریابادی صدق جدید)

"انگریزوں میں کردار نہیں رہا۔ ان سے دامن بچاؤ" ___ یہ اعلان نیویارک کے اخبار ڈیلی نیوز میں ایک امریکی خاتون نے شائع کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ کہ میں یورپ کے دورے کے بعد تمام امریکی خواتین کو متنبہ کرنا چاہتی ہوں۔ کہ انگلستان سے جس قدر دامن بچا سکو بچاؤ۔ فرانس اور جرمنی اور اطالیہ کے لوگ بہت عمدہ ہیں۔ لیکن انگلستان کے لوگ، خدا کی پناہ ان کا کردار سخت ہولناک ہے۔ یہ قوم جو کسی زمانے میں عظیم تھی۔ اب اس کی ساری توانائیاں، جنسیات اور قمار بازی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ انگریزوں میں نہ کوئی اخلاق باقی ہے نہ کردار" ہاں! برطانیہ پر زوال آچکا، مدت ہوئی اسکی عظمت کا آفتاب غروب ہو چکا۔ اس کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ ویسے بھی اس کے جزیرے میں سورج کہاں طلوع ہوتا ہے۔ وہ تیسرے درجے کا ملک ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے معاشرے کی حالت ابتر ہے۔ جو ملک قمار بازی کا مرکز بن کر رہ جائے۔ اس کو اپنی آمدنی کا ذریعہ تصور کرنے لگے۔ جو قوم اپنے قحبہ خانوں اور عصمت فروشی کے اڈوں کی ڈائرکٹری شائع کرے۔ اور عیاشی کو یوں فروغ

دے۔ جبکی زندگی میں روپیہ عزت وناموس سے زیادہ عزیز ہو کر رہ جائے۔ اس سے پھر کسی اچھائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ہمیں تو اس امریکی خاتون کے بیان پر وہ مثل یاد آگئی، جو مشرق کی عورتوں میں رائج ہے۔ کہ چھلنی منہ آئے سوپ کے جس میں بہتر چھید۔ خود امریکہ کا حال کیا ہے۔ انگلستان کا مشہور فلسفی مورخ آرنلڈ ٹوئن بی اگر اپنے ملک کی اخلاقی تباہی کا ماتم کر رہا ہے۔ تو خود امریکہ کے مشہور ماہر جنسیات ڈاکٹر ایڈوین۔ ڈبلیو ہرش نے بھی اپنے ملک کی حالت زار پر کچھ کم آنسو نہیں بہائے ہیں۔ دونوں کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ مغربی تہذیب کا اگر یہی عالم رہا تو اس کا حشر وہی ہوگا۔ جو روما کا ہو چکا ہے۔ اخلاق وکردار کی خوبیاں ہی قوموں کو عظمت بخشتی ہیں۔ اور اخلاق وکردار کی خرابیاں ہی قوموں کو قعر ذلت میں پہنچا دیتی ہیں، تباہ کر دیتی ہیں۔ یہی قانون فطرت ہے۔ زندہ قوموں کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے بڑا سبق جو ہر معاملے میں اہل مغرب کو اپنا امام تصور کرتے ہیں۔ (حریت کراچی)

مرغی کا بچہ انڈے کے مضبوط خول کے اندر پرورش پاتا ہے۔ اور اس کے ٹوٹنے سے باہر آتا ہے۔ یہ واقعہ کیونکر ہوتا ہے۔ کہ خول ٹوٹے اور بچہ جو گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہیں ہوتا وہ باہر نکل آئے۔ پہلے کا انسان اس کا جواب یہ دیتا تھا۔ کہ "خدا ایسا کرتا ہے"۔ مگر اب خوردبینی مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا۔ کہ جب ۲۱ روز کی مدت پوری ہونے والی ہوتی ہے۔ اس وقت ننھے بچے کی چونچ پر ایک نہایت چھوٹی سی سخت سینگ ظاہر ہوتی ہے۔ اسکی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آتا ہے۔ سینگ اپنا کام پورا کر کے بچے کی پیدائش کے چند دن بعد خود بخود جھڑ جاتی ہے۔ مخالفین مذہب کے نظریئے کے مطابق یہ مشاہدہ اس پرانے خیال کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ کہ بچہ کو باہر نکالنے والا خدا ہے۔ کیونکہ خوردبین کی آنکھ ہم کو صاف طور پر دکھا رہی ہے۔ کہ ۲۱ روزہ قانون ہے جس کے تحت وہ صورتیں پیدا ہوتی رہیں۔ جو بچہ کو خول سے باہر لاتی ہیں۔ مگر یہ مغالطہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ جدید مشاہدہ نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے۔ وہ صرف واقعہ کی چند مزید کڑیاں ہیں۔ اس نے واقعہ کا اصل سبب نہیں بتایا۔ اس مشاہدہ کے بعد صورت حال میں جو فرق ہوا ہے۔ وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کہ پہلے جو سوال خول کے ٹوٹنے کے بارے میں تھا۔ وہ "سینگ" کے اوپر جا کر ٹھہر گیا۔ بچہ کا اپنی سینگ سے خول کو توڑنا واقعہ کی صرف ایک درمیانی کڑی ہے۔ وہ واقعہ کا سبب نہیں ہے۔ واقعہ کا سبب تو اس وقت معلوم ہوگا جب ہم جان لیں کہ بچہ کی چونچ پر سینگ کیسے ظاہر ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں اس آخری سبب کا پتہ لگالیں۔ جو بچہ کی اس ضرورت سے واقف تھا۔ کہ اسے خول سے

باہر نکلنے کے لئے سخت مددگار کی ضرورت ہے۔ اور اس نے مادہ کو مجبور کیا کہ عین وقت پر ٹھیک ۲۱ روز بعد وہ بچہ کی چونچ پر ایک ایسی سینگ کی شکل میں نمودار ہو جو اپنا کام پورا کرنے کے بعد جھڑ جائے۔ گویا پہلے یہ سوال تھا کہ خول کیسے ٹوٹتا ہے۔ اور اب یہ سوال ہو گیا۔ کہ "سینگ کیسے بنتی ہے"۔ ظاہر ہے کہ دونوں حالتوں میں کوئی نوعی فرق نہیں۔ اس کو زیادہ سے زیادہ حقیقت کا وسیع تر مشاہدہ کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت کی توجیہ کا نام نہیں دے سکتے ———

——— (وحید الدین خان صاحب۔ "علم جدید کا چیلنج")

آخر اس مروجہ دنیوی تعلیم کا مقصد تو یہی ہے۔ تاکہ پیٹ کی پرورش ہو سکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے۔ لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا ہیضہ ملک میں پھیل رہا ہے۔ کیا اسکی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جا سکے۔ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جاتی ہے۔ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء و طلبہ کی معاش کا نہیں ہے۔ بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے۔ کہ جو افراد اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اور امتِ محمدیہ کے لئے راہ سعادت و نجات کو محفوظ کر رہے ہیں۔ ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جا رہا ہے۔ اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے۔ کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں۔ اور حکومت کی مشینری کو چلائیں ان کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ فیا للعجب ویا للاسف۔ (مولانا یوسف بنوری۔ بینات کراچی)

مولانا محمد زمان ڈیروی فاضل دار العلوم حقانیہ

بخاری اور دیگر کتب حدیث پر

تمناؔ عمادی کے الزامات کی حقیقت

گذشتہ سے پیوستہ

محمد بن فضیل کے ثقہ ہونے میں ہمیں کسی قسم کا شک نہیں۔ لیکن جب وہ خود شیعیت کے الزام میں متہم ہیں۔ تو آپ کا قول اصول جرح و تعدیل کی رو سے یزید بن ابی زیاد کے حق میں مقبول نہیں ہے۔

مولانا عبد الحی اللکھنوی نے اپنی کتاب الرفع والتکمیل کے ص۱ پر لکھا ہے:

ولا یجیل لک ان تاخذ بقول کل	اسلئے آپ کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ آپ ہر
جارح فی ای راو کان وان کان ذلک	جارح کے قول کو ہر راوی کے حق میں صحیح سمجھیں
الجارح من الائمۃ او من مشھوری	اگرچہ وہ جارح مشہور علماء میں سے کیوں نہ ہو
علماء الامۃ فکثیرا ما یوجد امر یکون	اس لئے کہ بہت سے ایسے عوارضات
مانعا من قبول جرحہ وحینئذ	ہوں گے جسکی وجہ سے اسکی جرح بھی مقبول
یحکم برد جرحہ ولہ صور کثیرۃ	نہ ہوگی اور اسی وقت اسکی جرح کو رد کرنے
لا تخفی علی مھرۃ کتب الشریعۃ	کا حکم دیا جائے گا اور اسکی مختلف صورتیں
فمنھا ان یکون الجارح فی نفسہ مجروحا	ہیں جو اہل فن پر مخفی نہیں ہیں ان میں ایک یہ
فح لا یبادر الی قبول جرحہ وکذا التعدیل	بھی ہے کہ جارح فی نفسہ مجروح ہو تو اس وقت
مالم یوافقہ غیرہ۔	اگر دوسرے ائمہ کی طرف سے جرح نہ ہو تو
(الرفع والتکمیل ص۱)	نہ اسکی جرح کا اعتبار ہے ، اور نہ تعدیل کا۔

اس کے علاوہ ص۱۶ پر جارح اور معدل کی شروط مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

یشترط فی الجارح والمعدل العلم والتقوی	جارح اور معدل کیلئے علم، تقویٰ، سچائی،

والورع والصدق والتجنب عن التعصب	پرہیزگاری، عصبیت سے خالی ہونا اور
ومعرفة اسباب الجرح والتزکیة ومن لیس	جرح و تعدیل کے اسباب جاننا ضروری ہے
کذلک لایقبل منه الجرح ولا التزکیة	اور جس شخص میں یہ صفات موجود نہ ہوں
	نہ اسکی جرح اور نہ اس کا تزکیہ مقبول ہے۔

توان دلائل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کیا محمد بن فضیل میں یہ سب شروط موجود ہیں بلکہ کسی نے بھی آپ کو ائمہ جرح و تعدیل میں نہیں لکھا ہے۔ اس لئے آپ کا قول یزید بن ابی زیاد پر حجۃ نہیں ہے۔

محقق موصوف اپنی عادت جاری رکھتے ہوئے سنن کے رواۃ کے علاوہ صحیح بخاری کے راویوں کیطرف بھی ہاتھ بڑھایا۔ فرماتے ہیں:

"ابو اسحٰق السبیعی، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر وغیرہم کوفے کے سرخیل محدثین تھے۔ صحاح ستہ کی ہر کتاب ان کی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور یہ سب شیعہ تھے" (ماہنامہ فکر و نظر ص ۲۷۵)

صحیح بخاری کے راویوں کا درجہ

اس سے پہلے کہ ہم ان بڑے ائمہ کرام کا ثقۃ ہونا ثابت کریں یہ بات ضروری ہے۔ کہ بخاری کے رواۃ کا درجہ بیان کر دیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ صحیح بخاری کی ترجیح اجمالاً نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

واما من حیث التفصیل فقد قررنا	بخاری شریف کی فضیلت تفصیلاً یہ ہے
ان مدار الحدیث الصحیح علی الاتصال	کہ ہم یہ ثابت کر چکے کہ حدیث صحیح کا دارومدار
واتقان الرجال وعدم العلل و	اتصال سند اور اتقان رجال پر ہے۔
عند التامل یظهر ان کتاب البخاری	(یعنی اس کے رجال ثقات ہوں اور ان میں
اتقن رجالاً واشد اتصالاً۔	کسی قسم کی جرح نہ ہو۔) اور غور کرنے کے بعد
(مقدمہ فتح الباری ص۹)	یہ خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ صحیح بخاری

اتقان رجال اور اتصال سند میں سب سے ارجح ہے۔

اس کے علاوہ طاہر بن صالح الجزائری المتوفی ۱۳۳۸ھ اپنی کتاب توجیہ النظر کے ص۱۰۱ پر رقمطراز ہیں۔

فقد کان ابو الحسن المقدسی یقول	ابو الحسن المقدسی فرماتے تھے۔ کہ جس شخص
فی الذی خرج عنه فی الصحیح هذا	سے امام بخاری اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔
جاز القنطرة یعنی بذلک انه	وہ پل سے گذر گیا۔ (یعنی مقصود کو پہنچ گیا)
لا یلتفت الیه ما قیل فیه۔	اس کے بعد اس میں کسی کی جرح کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اسی صفحہ پر لکھتے ہیں :

وقبل الخوض فیہ ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض لعدالتہ عندہ وصحۃ ضبطہ وعدم غفلتہ ۔

اور اس بحث میں مشغول ہونے سے پہلے ہر منصف مزاج کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بخاری کا ہر راوی سے روایت کرنا اس راوی کی عدالت اور اسکی عدم غفلت کا مقتضی ہے ۔

بخاری شریف کے رجال کے متعلق ائمہ کے یہ اقوال غور سے پڑھنے کے بعد اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ بخاری شریف کی صحت میں کلام کیا جائے ۔ لیکن مقالہ نگار نے چند ایک نام ذکر کر کے ان پر معمولی جرح کا ذکر کیا ہے ۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان ائمہ کا حال بیان کردیں اور بات صاف ہو جائے ۔ چنانچہ سب سے پہلے ابو اسحق سبیعی کا ترجمہ تہذیب التہذیب سے نقل کرتے ہیں ۔

قال عبد اللہ بن احمد قلت لابی ایما احب الیک ابو اسحق او السدی فقال ابو اسحق ثقۃ ۔

(تہذیب صـ ۶۳)

عبد اللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (امام احمدؒ) سے کہا کہ ابو اسحق سبیعی اور سدی ان دونوں میں آپ کو کون زیادہ محبوب ہے ۔ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ ابو اسحق ثقہ ہیں ۔

پھر فرماتے ہیں :

وقال ابن معین والنسائی ثقۃ وقال العجلی کوفی تابعی ثقۃ ۔

یحیی بن معین اور نسائی فرماتے ہیں کہ ابو اسحق سبیعی ثقہ ہیں ۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ ابو اسحق کوفہ کے رہنے والے تابعی اور ثقہ ہیں ۔

وقال ابو حاتم ثقۃ ھو احفظ من ابی اسحق الشیبانی ویشبہ الزھری فی کثرۃ الروایۃ واتساعہ فی الرجال ۔

(تہذیب صـ ۶۵)

امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ کہ ابو اسحق شیبانی سے بھی زیادہ حافظ ہیں ۔ اور کثرت حدیث میں امام زہریؒ کے مشابہ ہیں ۔

وقال ابن المدینی احصینا شیختہ نحوا من ثلاث مائۃ شیخ وقال مرۃ اربع مائۃ وقد روی عن صحبیین او ثمانین لم یرو عنھم غیرہ ۔

(تہذیب صـ ۶۴)

علی بن المدینی فرماتے ہیں ۔ کہ ہم نے اس کے شیوخ کی تعداد تقریباً تین سو اور بعض وقت کہتے کہ چار سو تک شمار کی ہے اور ستر یا اسی ایسے شیوخ سے روایت کی جن سے اور کسی نے روایت نہیں کی ۔

مذکورہ مشہور ائمہ کی توثیق کرنا کوئی معمولی بات نہیں، اس کے باوجود علامہ موصوف نے ان پر شیعہ کا حکم چسپاں کر دیا۔ اور یہ واضح نہیں کیا کہ آپ کو شیعہ کہنے والے حضرات کون ہیں افسوس کہ مولانا کچھ انصاف سے کام لیتے اور تہذیب کی عبارت نقل کر دیتے تاکہ اس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ آپ کو شیعہ کس نے کہا ہے۔ اور کیا اس کا قول آپ پر حجت ہے یا نہیں ——— خیر اگر آپ سے یہ رہ گیا تو ہم اسکو مکمل طور پر نقل کر دیں گے:

تہذیب التہذیب صفحہ ۹۶ پر علامہ ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں:

وقال ابو اسحٰق الجوزجانی کان من	ابو اسحٰق جوزجانی فرماتے ہیں۔ کہ کوفے کی ایک
اھل الکوفۃ لا تحمد مذاھبھم یعنی	قوم جن کے مذاہب یعنی شیعیت کی تعریف
التشیع ھم رؤس محدثی الکوفۃ مثل	نہیں کی جاسکتی اور وہ کوفے کے محدثین کے
ابی اسحٰق والاعمش و منصور	سردار تھے۔ جیسے ابو اسحٰق اعمش منصور
وزبید وغیرھم۔	اور زبید وغیرہم۔

جوزجانی کا قول حجت نہیں

تو اب معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کا شیعہ کا حکم لگانے کا دارو مدار امام جوزجانی پر ہے۔ اب یہ جوزجانی کون تھے؟ اس کے لئے تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۲ پر علامہ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ:

وقال ابن عدی کان شدید المیل	ابن عدی فرماتے ہیں۔ کہ آپ حضرت علی کے
الی مذھب دمشق فی المیل علی	خلاف اہل دمشق کے مذہب کی طرف میلان
علی رضی اللہ عنہ۔	کرتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں:

وقال السلمی عن الدارقطنی بعد ان	امام سلمی دارقطنی سے نقل کر رہے ہیں۔ کہ آپ
ذکر توثیقہ لکن فیہ انحراف عن	نے جوزجانی کی توثیق کرنے کے بعد فرمایا لیکن
علی اجتمع علی بابہ اصحاب الحدیث	وہ حضرت علی سے انحراف کرنے والے
فاخرجت جاریۃ لہ فروجۃ	تھے۔ آپ کے پاس محدثین آئے تو آپ
لتذبحھا فلم تجد من یذبحھا فقال	کی کنیز نے مرغی کا بچہ باہر ذبح کرنے کیلئے
سبحان اللہ فروجۃ لا یوجد من	لی گئی تو اسکو کوئی ذبح کرنے والا شخص
یذبحھا وعلی یذبح فی ضحوۃ نیفا	نہیں ملا۔ تو جوزجانی نے تعجب سے سبحان اللہ

عشرین الف مسلم فکنت دکتابه	کہتے ہوئے کہا کہ ایک مرغی کے بچہ کو ذبح
فی الضعفاء یوضح مقالته ورأیت	کرنے والا نہیں ملتا اور حضرت علیؓ نے
فی نسخة من کتاب ابن حبان حریزی	دوپہر کی گرمی میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں
المذهب۔	کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

کہ اسکی کتاب الضعفاء اس کے اس مقالہ کی وضاحت کرتی ہے۔ اور میں نے ابن حبان کی کتاب کے کسی نسخہ میں یہ دیکھا تھا کہ وہ حریزی المذہب تھے۔

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ابراہیم بن یعقوب جوزجانی خود مجروح شخص ہیں۔ تو اس کا قول ہم ابو اسحٰق سبیعی جیسے امام پر کیسے حجۃ ٹھہرائیں۔ اور یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ جو شخص خود مجروح ہو اسکی جرح مقبول نہیں۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجر تہذیب التہذیب ص۹۳/۱۵ پر ابان بن تغلب کے ترجمہ میں جوزجانی کا قول ابان بن تغلب کے متعلق زائغ مذموم المذہب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

واما الجوزجانی فلاعبرة بحطه علی	یعنی ابراہیم بن یعقوب جوزجانی کا قول کوفیین
الکوفیین فالتشیع فی عرف المتقدمین	کی تنقیص میں بالکل معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ متقدمین
هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان	کی اصطلاح میں شیعیت صرف یہ ہے کہ
وان علیا کان مصیبا فی حروبه	وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت
وان مخالفه مخطئ مع تقدیم الشیخین	دیتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کو جنگ میں
وتفضیلهما الی قوله واما التشیع فی	حق بجانب سمجھتے ہیں اور آپ کے مخالف
عرف المتأخرین فهو الرفض المحض	کو باطل پر باوجودیکہ وہ شیخین کو حضرت علی
فلا تقبل روایة الرافضی الغالی۔	پر فضیلت دیتے اور متاخرین کی اصطلاح
(تہذیب ص۹۳)	میں شیعیت محض رافضیت ہی ہے۔

تو رافضی غالی کی روایت بالکل مقبول نہیں ہے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجرؒ لسان المیزان ص۱۶ پر فرماتے ہیں:

وممن ینبغی ان یتوقف فی قبول قول	اور یہ بات قابلِ توجہ ہے۔ کہ اگر جارح اور
الجارح من کان بینه وبین من جرحه	مجروح کے درمیان کوئی اعتقادی اختلاف
عداوة سببها الاختلاف فی الاعتقاد	کی وجہ سے دشمنی ہے تو اسکی جرح میں توقف

فان الحاذق اذا تأمل تقلب ابي اسحق الجوزجاني لاهل الكوفة رأى العجب وذلك لشدة انحرافه في النصب وشهرة اهلها بالتشيع فتراه لا يتوقف في جرح من ذكره منهم بلسان ذلقة وعبارة طلقة حتى انه اخذ يلين مثل الاعمش وغيرهم.

کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سمجھدار شخص اگر غور وفکر سے کام لے تو ابو اسحق جوزجانی کا اہل کوفہ پر عیب لگانے سے تعجب کریں گے اور اسکی وجہ یہ ہے تو آپ ابو اسحق جوزجانی کو دیکھیں گے کہ وہ اہل کوفہ کو تیز زبان اور کمزور عبارت کے ساتھ مجروح کرنے میں کسی قسم کا توقف نہیں کریں گے۔ حتی کہ وہ اعمش وغیرہ جیسے امام کا ضعف بیان کرنے لگے۔

اسی طرح علامہ محمد زاہد الکوثری اپنی کتاب تانیب الخطیب کے ص ۱۱ پر رقمطراز ہیں۔

وابن ابي حاتم من اعرف الناس ان الجوزجاني منحرف عن اهل الكوفة حتى استقر اهل النقد فيه على انه لا يقبل له قول في اهل الكوفة

ابن ابی حاتم ابو اسحق جوزجانی کو خوب بہتر جانتے ہیں۔ کہ وہ اہل کوفہ کے سخت خلاف ہیں۔ بلکہ ائمہ جرح وتعدیل نے فرما دیا کہ جوزجانی کا قول اہل کوفہ میں بالکل ناقابل قبول ہے۔

مذکورہ بالا دونوں کی روشنی میں ابو اسحق سبیعی اور جوزجانی کے درمیان فرق مراتب بالکل واضح ہے۔ تو جوزجانی کی جرح کا اعتبار اتنے بڑے امام کے حق میں ہرگز مقبول نہیں۔ علاوہ ازیں ائمہ نے تصریح کردی کہ جوزجانی کا قول کسی کوفی راوی کے حق میں معتبر نہیں کیونکہ آپ یہ جرح اپنی عصبیت اور اعتقادی اختلاف کی بنا پر کر رہے ہیں۔ اور یہ ہم پہلے ثابت کر چکے کہ ایسے شخص کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ تو محقق موصوف کی اس عبارت پر تعجب ہے کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جارح متعصب ہے اور اس کا قول مقبول نہیں ہوتا۔ بلکہ شاید مولانا نے قائل کا نام ہی نہیں لیا۔ نیز مولانا موصوف کو قواعد جرح وتعدیل کی رو سے ہرگز ٹھیک نہیں تھا کہ آپ نے صرف جرح کا قول نقل کرکے تعدیل کے اقوال چھوڑ دئے۔